# آئینۂ اسلام



اُستاذ الاساتذہ
پروفیسر عبدالقیوم رحمہ اللہ

تحقیق و تخریج
حافظ محمد فیاض الیاس

بزمِ اقبال
۲۔ کلب روڈ لاہور
فون: 042-99200851

# آئینۂ اسلام

اُستاذ الاساتذہ
پروفیسر عبد القیوم رحمہ اللہ

تحقیق و تخریج
حافظ محمد فیاض الیاس



بزمِ اقبال
۲۔ کلب روڈ لاہور
فون: 042-99200851

# فہرست



باب اوّل

## عقائدِ اسلام: اَجزائے اِیمان

باب دوم

## ارکانِ اسلام

باب سوم

## اسلامی اَخلاق

# عرض ناشر

''آئینہ اسلام''اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اس کے جامع تعارف پر مشتمل ہے۔
پروفیسر عبدالقیومؒ نے یہ کتاب طلباء و طالبات کے لیے لکھی تاہم اس کی افادیت کو دیکھتے ہوئے اسے عام قارئین کے لیے بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ تالیف نہایت آسان اور پُر مغز معلومات پر مبنی ہے۔ مواد سہل و دلچسپ بھی ہے اور گہری تعلیم و تربیت کا حامل بھی۔ پروفیسر صاحب نے مستند اور مفید معلومات اور معتبر مآخذ کا اہتمام کیا۔ قارئین کی آسانی کی خاطر صحتِ تلفظ کے لیے مشکل الفاظ پر اعراب لگائے۔

یہ کتاب اسلام کی آسان تفہیم کے لیے قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ کتاب میں مذکور آیات واحادیث کی تخریج حافظ محمد فیاض الیاس شعبۂ تحقیق و تالیف دارالمعارف لاہور نے کی ہے۔

اللہ عزوجل اس کتاب کے مؤلف، ناشر اور معاونین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

ریاض احمد چودھری
سیکرٹری رڈائریکٹر
بزمِ اقبال لاہور

# حرفِ اوّل

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ...... اَمَّا بَعْدُ!

کتاب ''آئینۂ اسلام'' مجلس ثانوی تعلیم (بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن) کے منظور کردہ جدید نصاب کے مطابق ایف۔اے کے طَلَبۂ اسلامیات (لازمی، اختیاری) کے لیے تالیف کی گئی ہے۔

اسلامی تعلیمات پر بحث کے دوران میں اکثر قرآن و حدیث سے استنباط کیا گیا ہے تاکہ طَلَبۂ اسلامیات میں ابتداء ہی سے قرآن فہمی کا شوق اور حدیث نبوی سے محبت پیدا ہو جائے اور وہ صحیح طریق پر سوچنے اور غور و فکر کرنے کے عادی بن جائیں۔

تمام معتبر مآخذ سے صحیح اور مفید معلومات درج کی گئی ہیں۔ فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے کتاب کی افادیت و اہمیت قارئین پر واضح ہو جائے گی۔

صحتِ تلفظ کی خاطر مشکل مقامات اور اشخاص کے ناموں پر زیر، زبر اور پیش لگائی گئی ہے۔

یہ کتاب اپنی معلومات اور افادیت کے لحاظ سے ایف، اے کے طَلَبہ کے علاوہ دینی ذوق اور مذہبی رجحان رکھنے والے حضرات کے لیے بھی مفید ہے۔ امتحان مقابلہ میں بیٹھنے والے حضرات بھی پرچۂ اسلامیات کے ضمن میں ''آئینۂ اسلام'' کو مفید پائیں گے۔

عبدالقیوم
گورنمنٹ کالج، لاہور

# آئینۂ اِسلام

اسلامی تعلیمات میں چار عنوان بڑے ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں

## عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق

**عقیدہ:** زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق کا نام عقیدہ ہے۔

**ایمان:** عقیدے کی مضبوطی اور یقین کو ایمان کہتے ہیں۔

**عبادت:** خدا کے حضور میں اپنی بندگی اور عبودیت کا اظہار اور احکامِ الٰہی کی تعمیل عبادت ہے۔

**معاملات:** انسان کے ساتھ معاملہ اور کاروبار میں احکامِ الٰہی کی پابندی معاملات کہلاتی ہے۔

**اخلاق:** مخلوقِ خدا سے نیک سلوک، اچھا برتاؤ، محبت اور الفت سے پیش آنے کا نام اخلاق ہے۔

(اس کتاب) میں عقائد، عبادات اور اخلاق کی ضروری تفصیلات درج کی گئی ہیں۔

باب اوّل

# اَجزائے اِیمان

اجزائے ایمان پانچ ہیں: اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر اور یومِ آخرت پر ایمان۔ یہی بنیادی عقائد ہیں۔

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے اِقرار کیا جائے (کردار سے عملی اظہار کیا جائے) اور دل سے اس کی تصدیق کی جائے۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِسلام، ایمان اور احسان کی تشریح و توضیح بیان کرتے ہوئے فرمایا:

- اِسلام کے یہ معنی ہیں کہ تو خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور اس بات کی گواہی دے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔
- ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، یومِ آخرت پر، فرشتوں پر، (الہامی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور موت اور موت کے بعد کی زندگی کو برحق سمجھے۔ جنت و دوزخ پر ایمان کا عقیدہ رکھے۔ حساب، میزان اور تقدیر کو مانے۔
- اِحسان کا یہ مطلب ہے کہ تو ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لیے اس انداز سے کرے کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھتا ہے۔[1]

قرآن مجید میں بھی اجزائے ایمان کی تفصیل مختلف مقامات پر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

[1] صحیح البخاری: ٥٠، ٤٧٧٧ و صحیح مسلم: ٩، ٨

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ﴾[1]

''اصل نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف منہ پھیرو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ اصل نیکی تو اس کی ہے جو اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ﴾[2]

''رسول خدا اور مومنین اُس چیز پر ایمان لائے جو کچھ آپ کی طرف اللہ کے ہاں سے نازل کیا گیا۔ ہر شخص اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔''

آنحضرت ﷺ اور قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں اور یومِ آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

فُقہاء کی اِصطلاح میں اِن تمام چیزوں پر ایمان لانے کو ایمان مفصل کہتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ.

''میں اللہ پر ایمان لایا اور اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لایا، اور تقدیر پر ایمان لایا کہ اُس کا خیر اور شر ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لایا۔''

---

[1] البقرۃ:۲/۱۷۷

[2] البقرۃ:۲/۲۸۵

# ۱۔ اللہ کی توحید پر ایمان

اللہ تعالیٰ کو ماننا اور اس کی ہستی پر ایمان لانا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اللہ کو ایک جاننا توحید کہلاتا ہے۔ اسلامی عقائد میں عقیدۂ توحید بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔

## عقیدۂ توحید

اِسلام کا نظریہ توحید یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ پاک اور بے عیب ہے۔ اس جیسا کوئی اور نہیں، نہ اُس کا باپ ہے نہ بیٹا، وہ ان تمام علائق اور رشتوں سے بالکل مُبرّا اور پاک ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، سب اس کے محتاج ہیں۔

اُس نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، دریا اور پہاڑ سب اسی نے بنائے ہیں۔ وہی ہوا چلاتا ہے، مینہ برساتا ہے، وہی سب کو روزی دیتا ہے۔ اناج اگاتا ہے، پھل پھول پیدا کرتا ہے۔ وہی اولاد دیتا ہے، کسی کو بیٹے عطا کرتا ہے، کسی کو بیٹیاں۔ کسی کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں بخشتا ہے اور کسی کو بالکل بے اولاد رکھتا ہے۔ زندگی اور موت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جسے چاہے زندہ رکھے اور جسے چاہے موت کی نیند سُلا دے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

وہ علیم وخبیر ہے، اسے سب چیزوں کا علم ہے۔ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ ماضی، حال اور مستقبل اس کے لیے برابر ہیں۔

اُسی کی ذات عبادت کے لائق ہے۔ وہی معبودِ حقیقی ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود و مسجود نہیں۔ عقیدۂ توحید ہر قسم کے شرک کی نفی وتردید ہے۔

مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالَم سے خفا میرے لیے ہے

## اَسمائے حُسنٰی

خدا کا ذاتی نام اللہ ہے یعنی وہ ذات جس کے سب محتاج ہوں اور وہ کسی کی محتاج نہ ہو۔ اللہ کا لفظ کسی دوسرے کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات ہیں اور ان صِفات کے اِظہار کے لیے قرآن مجید نے مختلف نام استعمال کیے ہیں مثلاً: اَلْخَالِق، اَلرَّازِق، الْمَالِک، اَلرَّحِیْمُ، اَلْکَرِیْمُ اور اَلْوَکِیْل وغیرہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اور انھیں قرآن مجید کی اصطلاح میں اَسمائے حُسنٰی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ﴾[1] یعنی اللہ کے بڑے اچھے صفاتی نام ہیں۔

بہت سے نام تو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ محدثین کرام نے ان صفاتی ناموں کو جمع کر کے ۹۹ تک پہنچا دیا ہے۔[2] اسمائے حُسنٰی میں سے چند ایک ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

اَلْاَوَّلُ پہلا، یعنی جس سے پہلے کوئی نہیں۔

اَلْاٰخِرُ آخری، یعنی سب فنا ہو جائیں گے اور اللہ کی ذات باقی رہے گی۔

اَلْاَحَدُ اکیلا، یعنی اس کی صفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

اَلْوَاحِدُ ایک، یعنی اللہ ایک ہے۔ دو یا دو سے زیادہ خدائی کے مالک نہیں ہو سکتے۔ صرف وہی ایک مالک حقیقی ہے۔

اَلْخَالِقُ پیدا کرنے والا، یعنی پیدا کرنے کی صفت کسی اور میں نہیں۔

اَلرَّازِقُ روزی دینے والا۔ اس کے سوا کوئی اور روزی کا مالک نہیں۔

اَلْحَیُّ زندہ رہنے والا۔ یعنی اس کے علاوہ باقی سب کو فنا اور موت سے دو چار ہونا ہے۔ وہ زندگی کا سرچشمہ ہے، وہی زندگی بخشتا ہے۔

---

[1] الاعراف: ۱۸۰/۷

[2] سنن ابن ماجہ: ۳۸٦۱ و سنن الترمذی: ۳۵۰۷

اَلْقَیُّوْمُ قائم رہنے والا اور قائم رکھنے والا، یعنی ساری دنیا کو قائم رکھتا ہے اور خود ہمیشہ قائم رہے گا۔

اَلْحَسِیْبُ حساب لینے والا۔

اَلْقَدِیْرُ قدرت والا۔

اَلْجَبَّارُ زبردست۔

اَلْبَاقِیْ باقی رہنے والا۔

اَلْحَکِیْمُ حکمت ودانائی کا مالک۔

اَلْبَصِیْرُ دیکھنے والا۔

اَلسَّمِیْعُ سننے والا۔

اَلْعَلِیْمُ جاننے والا۔

اَلْقَادِرُ قدرت والا۔

اَلْخَبِیْرُ خبر رکھنے والا۔

اَلْوَکِیْلُ کارساز، لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا۔

اَلْقَوِیُّ قوت والا، زبردست۔

اَلرَّبُّ پالنے والا، مالک۔

اَلْغَفُوْرُ بخشنے والا۔

اَلْحَفِیْظُ حفاظت کرنے والا۔

اَلْحَلِیْمُ حلم ونرمی کا مالک، بردبار۔

اَلْعَزِیْزُ غلبہ اور طاقت والا، عزت کا مالک۔

اَلْبَدِیْعُ نئی چیزیں بنانے والا۔

اَلْکَرِیْمُ سخی، عزت والا، معزز۔

اَلْوَھَّابُ عطا کرنے والا۔

اَلْغَفَّارُ معاف کرنے والا۔

اَللَّطِیْفُ مہربانی کرنے والا، باریک بیں۔

اَلْمَنَّانُ احسان کرنے والا۔

اَلْحَنَّانُ شفقت کرنے والا۔

اَلرَّءُوْفُ مہربان، رحم کرنے والا، نرمی والا۔

اَلْبَاسِطُ کشائش اور فراخی کا مالک۔

اَلْوَاسِعُ فراخی دینے والا[1]

## ۲۔فرشتوں پر ایمان

ایمان باللہ کے بعد فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ عربی میں فرشتوں کو ملائکہ کہتے ہیں۔ ایک فرشتے کو مَلَک کہتے ہیں۔ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس کے بندے ہیں۔ اس کے حکموں پر چلتے ہیں۔

اللہ کی مخلوق مختلف عناصر سے پیدا ہوئی۔ آدمی کو مٹی سے بنایا گیا، فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا اور ابلیس کو آگ سے۔[2]

فرشتے نورانی مخلوق ہیں۔ ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ وہ پاک اور نیک بندے ہیں۔ ہر وقت اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔ خدا کی نافرمانی نہیں کرتے۔[3]

فرشتوں کے ذمے مختلف فرائض ہیں جنھیں وہ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔[4]

---

[1] سنن الترمذی:۳۵۰۷ و سنن ابن ماجه:۳۸٦۱

[2] الحجر:۱۵/۲٦، ۲۷و الرحمن:۵۵/۱٤، ۱۵ و صحیح مسلم:۲۹۹٦

[3] الزخرف:٤۳/۱۹ و التحریم:٦٦/٦

[4] النساء:٤/۹۷ و الانعام:٦/۹۳

فرشتے ہر وقت خدا کی تقدیس و تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔[1]

فرشتے خدا کا پیغام لے کر اس کے رسولوں اور نبیوں کے پاس آتے ہیں۔ یہ کام حضرت جبریل علیہ السلام کے سپرد تھا۔[2]

حضرت جبریل امین کو قرآن مجید میں رُوحُ القُدُس[3] اور اَلرُّوح[4] کے ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ یہی جبرائیل امین علیہ السلام حضرت رسول مقبول ﷺ کے پاس آئے تھے۔[5]

فرشتے خدا کے نیک بندوں کے پاس خوشخبری اور بشارت لے کر آتے ہیں۔ جیسے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس لے کر آئے۔[6] حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھی خوش خبری لائے تھے۔[7] کبھی فرشتے خدا کا عذاب لے کر آتے ہیں۔[8]

انسانوں کے نیک و بد اعمال کو محفوظ کرنے کے لیے بھی فرشتے مقرر ہیں۔ قرآن مجید میں ان فرشتوں کو کراماً کاتبین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے[9] یعنی معزز لکھنے والے۔

فرشتے خدا کی رحمت لے کر بندوں پر نازل ہوتے ہیں۔ لوگوں کی روحوں کو قبض کرنے پر بھی فرشتے مامور ہیں۔[10]

مختصر یہ کہ کارخانۂ قدرت کو چلانے کے لیے خدا نے مختلف فرشتوں کو مختلف کاموں پر

---

1. البقرة:۲/۳۰ و الزمر:۳۹/۷۵
2. النحل:۱۶/۲ و مسند أحمد:۲۴۸۳
3. البقرة:۲/۸۷، ۲۵۳
4. الشعراء:۲۶/۱۹۳ و الأنبياء:۷۸/۳۸
5. البقرة:۲/۹۷
6. العنكبوت:۲۹/۳۱
7. آل عمران:۳/۳۹، ۴۵
8. هود:۱۱/۸۱ و الحجر:۱۵/۶۱
9. الانفطار:۸۲/۱۱
10. الانعام:۶/۶۱ و صحيح مسلم:۲۶۹۹

مامور فرما رکھا ہے۔

اسلام سے پہلے لوگ فرشتوں کے بارے میں کئی غلط فہمیوں کا شکار تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔[۱] اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدہ کو غلط ٹھہرایا۔ اسی طرح عیسائی تین خدا مانتے ہیں: باپ، بیٹا اور روح القدس، اِن کے خیال کے مطابق جبریل علیہ السلام بھی تثلیث میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کی بھی تردید کردی اور فرمایا کہ خدا ایک ہے، اکیلا ہے۔[۲] اس کی الوہیت میں نہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دخل ہے نہ جبریل امین علیہ السلام کو۔

## ۳۔ رسولوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو نیکی کی راہ بتائیں اور برائی سے روکیں۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان اور پہلے پیغمبر تھے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آخری امت ہے اور قرآن مجید آخری کتاب۔

اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لانا اور اُن کو برحق ماننا بھی ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

پیغمبر خدا کے نیک بندے ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ خدا کے احکام بندوں تک بلاکم و کاست پہنچا دیتے ہیں۔

نبوت اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عطیہ ہے۔ یہ منصبِ بلند محنت و ریاضت سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ کوئی شخص اپنی کوشش اور مشقت سے پیغمبر نہیں بن سکتا۔ بلکہ یہ خدا کی وہبیت ہے۔ جس نیک بندے کو وہ چاہتا تھا رسالت کے لیے منتخب کر لیتا تھا۔[۳]

---

۱ الإسراء: ۱۷/ ۴۰ و الزخرف: ۴۳/ ۱۹

۲ النساء: ۴/ ۱۷۱ والمائدة: ۵/ ۷۳ و الاخلاص: ۱۱۲/ ۱۔۴

۳ آل عمران: ۳/ ۱۷۹

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ سب پیغمبرانِ خدا سچے تھے۔ان کی تعلیم اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے زمانے کے لیے بہترین تھی۔جن لوگوں نے پیغمبروں کی تعلیم پر عمل کیا وہ کامیاب ہوئے اور جن لوگوں نے خدا کے رسولوں کی بات نہ مانی وہ خدا کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔

ایک پیغمبر کا یہ کام ہوتا تھا کہ وہ لوگوں کو نیکی کا راستہ بتائے، نیک کام کرنے والوں کو خدا کی خوشنودی اور جنت کی خوشخبری سنائے۔ برے کام کرنے والوں کو برائی کے نتائجِ بد سے آگاہ کرے اور انھیں خدا کے عذاب سے ڈرائے۔ پیغمبر لوگوں کو عقل و دانش کی باتیں سکھاتے، کامیاب زندگی کے گُر بتاتے اور خدا کی طرف بلاتے تھے۔اسی سبب سے پیغمبر کو ہادی (راہنما)، بشیر (خوش خبری دینے والا)، نذیر (آگاہ کرنے اور ڈرانے والا)، مُعَلِّم اور دَاعِی اِلی اللہ (خدا کی طرف بلانے والا) کے ناموں سے قرآن مجید میں یاد کیا گیا ہے۔[1] خدا کے رسول اپنی پاک تعلیم سے لوگوں کو دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخرو ہونے کے لائق بنا دیتے تھے۔

اللہ اپنے پیغمبروں سے کبھی تو براہِ راست ہم کلام ہوتا، کبھی فرشتوں کے ذریعے وحی بھیجتا تھا، کبھی الہام کے ذریعے بات دل میں ڈال دیتا تھا اور کبھی خواب میں اشارہ کر دیتا تھا۔[2]

خدا کے رسول اور پیغمبر گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔اس عقیدے کو عصمتِ انبیاء کہتے ہیں۔ جتنے پیغمبر گزرے ہیں سب معصوم تھے۔وہ گناہوں اور برائیوں سے محفوظ رہے۔

پیغمبر ہونے کی حیثیت میں سب رسول برابر اور یکساں ہیں۔ سب سچے ہیں، سب معصوم ہیں۔ہم سب کی پیغمبری اور نبوت پر ایمان لاتے ہیں۔ البتہ کام کی نوعیت، تبلیغ کی وسعت، شریعت کی اہمیت اور پیغام کی جامعیت کے لحاظ سے اُن کے مراتب و مدارج میں فرق ہے۔ بعض پیغمبر صرف چند لوگوں کی طرف پیغام لے کر آئے۔ بعض چھوٹی چھوٹی قوموں کی طرف، بعض اچھی خاصی آبادیوں کی طرف اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کل کائنات کے

[1] النمل:۸۱/۲۷ و المائدۃ:۱۹/۵ و البقرۃ:۱۲۹/۲ و الاحزاب:۴۶/۳۳

[2] الشوریٰ:۵۱/۴۲ و الصافات:۱۰۲/۳۷

لیے پیغمبر بن کر آئے ہیں[1] اسی طرح عام پیغمبروں کا پیغام وقتی اور ہنگامی تھا۔ وہ محض اپنے زمانے کے لوگوں کو ہدایت دینے پر مامور ہوئے تھے۔ بعض کا زمانہ مختصر تھا بعض کا طویل، لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہر زمانے کے لیے پیغمبر ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک جاری رہے گی۔

حضرت رسول مقبول ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو اعلیٰ تعلیم دی ہے۔ ہر پیغمبر کا نام ادب و احترام سے لیا جائے۔ خدا کے ہر رسول کی عزت و تعظیم کی جائے۔ ہر ایک کو برحق مانا جائے۔ کسی پر تہمت نہ لگائی جائے اور کسی رسول کی شان میں بے ادبی یا گستاخی نہ کی جائے۔ جب کسی پیغمبر کا نام سنیں تو ''علیہ السلام'' کہا جائے۔

ویسے تو بے شمار پیغمبر دنیا میں تشریف لائے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف انھی پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے جن کو عرب کے باشندے جانتے تھے یا جن کا ذکر یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابوں میں آ چکا تھا۔ مثلاً: حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام۔

قرآن مجید نے بتایا کہ یہ سب خدا کے برگزیدہ رسول اور سچے پیغمبر تھے۔[2]

سب پیغمبروں کی ایک ہی تعلیم تھی۔ ہر پیغمبر نے یہی سکھایا کہ اللہ ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ سب مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہی سب کا رازق اور خالق ہے۔ وہی سب کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ وہی مارتا ہے، وہی زندہ کرتا ہے۔ وہی بیمار کرتا ہے وہی صحت بخشتا ہے، وہی اولاد دیتا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز

[1] سبأ: ۲۸/۳۴
[2] الأنعام: ۸۳/۶-۹۰

کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہے۔

ہر پیغمبر نے اپنے زمانے میں یہ کوشش کی کہ انسانوں کو غیر اللہ کی پرستش سے منع کرے۔ خدا کی صفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنے کا نام شرک ٹھہرایا اور بتایا کہ شرک ناقابل معافی جُرم ہے۔ خدائے تعالیٰ سب گناہ معاف کرسکتا ہے لیکن شرک کبھی معاف نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ ﴾[1]

''تحقیق اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے علاوہ ہر گناہ معاف کرسکتا ہے۔''

پھر فرمایا:

﴿ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴾[2]

یعنی شرک بہت بڑا ظلم اور غیر فطری گناہ ہے۔

سب پیغمبروں نے یہی تبلیغ کی کہ تمام کائنات سے عبودیت اور بندگی کے تعلقات توڑ کر اللہ سے اُستوار کرو۔ جو مانگنا ہو، اللہ سے مانگو۔ ہر ضرورت کے لیے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ۔ جھکو تو اُسی کے سامنے، ڈرو تو اُسی سے ڈرو۔ خدا کے سوا تمام مخلوق کا ڈر دلوں سے نکال دو اور ﴿ وَ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾[3] ''مردِ مومن خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا'' کی صفت پیدا کرو۔ اسی کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دو۔ اسی چیز کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے، فرمایا:

﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾[4]

---

[1] النساء:۴/۴۸، ۱۱۶

[2] لقمان:۳۱/۱۳

[3] التوبۃ:۹/۱۸

[4] البقرۃ:۲/۱۶۵

یعنی مردِ مومن کے دل میں خدا کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں پیغمبروں کا ذکر کیا ہے اور ان کے حالات بتائے ہیں۔ ان کے احوال کو قصص الانبیاء یعنی نبیوں کے قصے کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں انبیاء کے حالات بیان کرنے کا مقصد عبرت اور وعظ و نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ لوگ قرآن میں پیغمبروں کے اخلاقِ حسنہ، ان کی پاکیزہ زندگی، بے لوث خدمتِ خلق، جذبہ تبلیغِ دین، عبادت و ریاضت، معاملات، خدا پرستی، نیکی اور توحید سے سبق اور موعظت حاصل کریں۔

## مشہور پیغمبروں کے حالات

یہاں چھ مشہور پیغمبروں کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں:

### ۱۔ حضرت آدم علیہ السلام

زمین و آسماں کی تخلیق سے پہلے پانی ہی پانی تھا۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ﴾[1] ''اللہ کا عرش حکومت پانی پر تھا۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بنائے۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نوعِ بشر کے والدِ بزرگوار اور سب سے پہلے انسان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنایا۔ وہ پہلے پیغمبر اور رسول ہیں جنھیں وحی اور الہام سے سرفراز کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کی خلافت حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کرنے کا ارادہ فرشتوں کے سامنے ظاہر کیا تو فرشتوں نے عرض کیا:

اے اللہ! یہ تو زمین میں فتنہ و فساد بپا کریں گے اور خون بہائیں گے (کیا ہم کافی نہیں

[1] الانعام: ۶/ ۸۳-۹۰

ہیں؟) ہم تو ہر وقت تیری تسبیح بیان کرتے ہیں، تیری حمد و ستائش کے گیت گاتے ہیں اور تیری پاکیزگی اور تقدیس کا وِرد کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ مجھے ان چیزوں کا بھی علم ہے جو تم نہیں جانتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ اس کے بعد ان چیزوں کے نام فرشتوں سے پوچھے، فرشتوں نے اظہارِ عجز کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے اللہ! ہمیں تو وہی کچھ معلوم ہے جو تو نے ہمیں سکھایا۔ تجھے ہر شے کا علم ہے، ہر چیز کی خبر ہے۔ تیری ذات حکمت و دانائی کا سرچشمہ ہے، ہم تیرے علم و دانش کو کیوں کر پہنچ سکتے ہیں؟

خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر انسانی شرافت و بزرگی کا تاج رکھ کر انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ سب آدم علیہ السلام کی فضیلت اور بزرگی کا اعتراف کر کے اس کے سامنے آداب بجالائیں، اس کے علم و فضل کے حضور میں سرنگوں ہوں۔ خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ البتہ ابلیس نے آدم علیہ السلام کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ انکار کی وجہ یہ بتائی کہ آدم علیہ السلام کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا ہے اور مٹی کی فطرت زمین پر گرنا ہے اور مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ آگ کی سرشت یہ ہے کہ شعلہ زن ہو کر بلندی کی طرف پرواز کرے۔ آگ مٹی کے سامنے کیوں کر سرخم کرے، تکبر و غرور نے ابلیس کو خدا کی نافرمانی پر اکسایا۔ ابلیس کی نافرمانی اور حکم عدولی خدا کو پسند نہ آئی۔ اسے راندۂ درگاہ قرار دے کر انسانیت کا دشمن ٹھہرایا۔[1]

ابلیس کی فطرت اور نوع و جنس بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾[2] ''ابلیس جنات میں سے تھا، اس نے اپنے مالک کی نافرمانی کی۔'' نافرمانی کی سزا میں شیطان کا لقب ملا۔

کچھ مدت گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت حَوّا کو پیدا کیا۔ حضرت آدم و حواء علیہما السلام

---

۱۔ البقرۃ:۲/۳۰-۳۵ و الحجر:۱۵/۲۸-۴۱ و ص:۳۸/۷۱-۸۵

۲۔ الکہف:۱۸/۵۰

دونوں جنت میں رفیق حیات بن کر رہنے لگے۔ اللہ نے حکم دیا کہ اس جنت میں جو چاہو مزے سے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس جانے کی اجازت نہیں۔ لیکن شیطان نے انھیں بہکایا۔ وہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام اس مزے کی زندگی سے محروم کر دیے گئے۔ امن وچین کی زندگی ان سے چھین لی گئی۔[1]

علمائے کرام میں اختلاف ہے کہ جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی رفیقۂ حیات حضرت حوا ٹھہرے رہے وہ کہاں تھی، زمین پر یا آسمان پر؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ جنت زمین پر ہی ایک مقام تھا جہاں اسے آسودگی اور امن وچین میسر تھا۔ بعض مفسرین نے اسے آسمان پر بتایا ہے۔ پھر کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ جنت جنتِ خُلد سے الگ تھی اور بعض نے اسے جنت خُلد ٹھہرایا ہے۔[2] بہر حال قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنت جس میں حضرت آدم علیہ السلام ٹھہرے رہے، زمین پر تھی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾[3] ''میں زمین پر ایک نائب اور خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔''

یہ ایک تحقیقی اور علمی مسئلہ ہے۔ ایمانیات میں سے نہیں ہے۔ تحقیق اور تسکینِ قلب جس نتیجے کو پسند کرے درست ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام ۹۳۰ برس زندہ رہے۔ جب ان کے ہاں حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت آدم علیہ السلام ۱۳۰ برس کے تھے۔[4]

حضرت آدم وحواء علیہما السلام کی اولاد خوب پھلی پھولی، آج ساری دنیا میں انھی بزرگوں کی اولاد بستی ہے۔

---

[1] البقرۃ:۲/۳۵، ۳۶ و الاعراف:۷/۱۹-۲۵

[2] ابن عطیۃ و الرازی و القرطبی، التفسیر، البقرۃ:۳۵

[3] البقرۃ:۲/۳۰

[4] البدایۃ والنہایۃ:۱/۱۱۰ و تاریخ الطبری:۱/۱۵۵-۱۶۴

## ۲۔حضرت نوح علیہ السلام

خدا کے پہلے اولوالعزم پیغمبر ہیں جنھیں لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے بھیجا گیا تھا۔حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جب لوگ راہِ راست کو چھوڑ کر خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے لگے اور خدا کے بجائے بت پوجنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے عوام کو سیدھی راہ دکھانے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

آپ نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا اور ایک خدا کی طرف بلایا۔حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ضد کی اور پیغمبر کی بات نہ مانی۔حضرت نوح علیہ السلام نے ۹۰۰ برس کی عمر تک اپنی قوم کو خدا کا پیغام سنایا۔توحید کی دعوت دی۔مگر قوم ان سے دور بھاگتی رہی۔نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی۔قوم پر عذاب الٰہی آیا۔چالیس دن چالیس راتیں مسلسل بارش ہوتی رہی۔دریا،سمندر اور چشمے پانی سے بھر کر اچھلنے لگے۔سطح زمین پر پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان سے بچنے کے لیے خدا کے حکم سے ایک کشتی تیار کر رکھی تھی۔ آپ اور آپ کے ساتھی اس کشتی میں سوار ہو گئے۔[1]

یہ طوفان بادو باراں ۱۵۰ دن تک رہا۔۱۵۰ دن گزرنے کے بعد پانی اترنے لگا۔تمام نافرمان لوگ پانی میں غرق ہو گئے۔حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھی صحیح سلامت رہے۔ اس طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ۳۵۰ برس تک زندہ رہے۔اور دنیا از سر نو آباد ہونے لگی۔ تاریخ میں حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہتے ہیں کیوں کہ ان کی نسل سے نوعِ انسان پھر شروع ہوئی۔حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے:

۱۔سام ۲۔حام ۳۔یافث ۴۔یام

لیکن چوتھا بیٹا یام اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے طوفان کی نذر ہو گیا تھا۔باقی تین بیٹوں کی

[1] ھود:۱۱/۲۵-۴۸

اولاد سے تمام دنیا کی رونق وآبادی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ۹۵۰ برس (سے زائد) کی عمر پاکر وفات پائی [1]

حضرت نوح علیہ السلام بڑے خوش خلق، اپنی امت پر بے حد مہربان اور شفیق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی امت پر سلامتی اور برکتیں نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاق اور ان پر انعامات کا ذکر قرآن مجید (سورۂ شعراء اور سورۂ ہود) میں کیا ہے۔ [2]

## ۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

چار پانچ ہزار سال پہلے کا ذکر ہے کہ ملک عراق میں ایک ظالم بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ جس کا نام نمرود تھا۔ نمرود اور اس کی رعایا کے سب لوگ بت اور ستارے پوجتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن لوگوں کو ایک خدا کی طرف بلایا اور توحید کا پیغام سنایا۔ آپ نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ ستارے، چاند اور سورج سب خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی روشنی اور نور اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہ خدا کے حکم سے نکلتے، چمکتے اور نظر آتے ہیں اور خدا کے حکم سے ڈوب جاتے ہیں۔ ڈوب جانے والی چیز پرستش اور عبادت کے لائق نہیں ہو سکتی بلکہ عبادت کے لائق وہ ذات ہے جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا اور تابندگی و روشنی بخشی۔ [3]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھانے کے لیے ایک مرتبہ بت خانے میں جاکر سب بتوں کو توڑ دیا۔ ایک بڑے بت کو صحیح سلامت رہنے دیا۔ جب بت پرستوں کو پتہ چلا تو وہ کہنے لگے کہ یہ کام ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ وہی ہمارے بتوں کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔

وہ بھاگے بھاگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا تم نے ہمارے بتوں کو توڑا ہے؟

---

[1] المنتظم:۱/۲۳۹-۲۴۴ و الکامل:۱/۶۲-۷۹ و قصص الانبیاء لابن کثیر:۱/۱۱۵

[2] هود:۱۱/۲۵-۴۸ و الشعراء:۲۶/۱۰۵-۱۲۲

[3] الانعام:۶/۷۶-۸۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے: یہ بڑا بت ہے۔ اگر یہ جواب دے سکے تو اس سے پوچھو۔
بت پرست کہنے لگے کہ بھلا مٹی اور پتھر کی بے جان مورتیاں بھی بول سکتی ہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ ان کو یہ بات سمجھائی جائے کہ جو چیز بے جان ہے، جو بول نہیں سکتی، جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتی وہ تمہاری مرادیں کس طرح پوری کر سکتی ہے؟ مگر وہ یہ نکتہ تو نہ سمجھ پائے۔ الٹا دشمن بن بیٹھے اور کہنے لگے کہ یہی نوجوان ہے جس نے ہمارے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ اگر تم سے بن پڑے تو اسے آگ میں جھونک دو تا کہ اسے معلوم ہو کہ بت توڑنا آسان کام نہیں ہے۔
نمرود نے جوشِ انتقام میں آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ روشن کیا۔ جب آگ بھڑک اٹھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر آگ میں پھینک دیا گیا۔ اِدھر یہ لوگ اس خیال میں تھے کہ آتشِ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے گی۔ اُدھر خدا کو یہ منظور تھا کہ حضرت خلیل اللہ کا بال بھی بیکا نہ ہو چنانچہ فرمایا:

﴿ يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴾[1]

''اے آگ! ابراہیم کے لیے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا۔''

اس واقعہ سے پہلے کی بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو سمجھایا کہ اس خدائے واحد کو ماننا اور پوجنا چاہیے جو مارتا اور جلاتا ہے۔ نمرود کج فہم اور مکار تھا۔ کہنے لگا کہ موت و حیات تو میرے بھی اختیار میں ہے۔ میں حاکمِ وقت ہوں۔ جسے چاہوں موت کے گھاٹ اتاروں اور جسے چاہوں پھانسی کے تختے سے اتار کر زندہ سلامت رہنے دوں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام بات پا گئے اور فرمانے لگے کہ میرا رب تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تمہیں خدائی کا دعویٰ ہے تو نظامِ کائنات میں ذرا سی تبدیلی کر کے دکھاؤ۔ بھلا سورج کو مغرب سے نکالو تو جانیں! یہ سن کر نمرود بھونچکا سا رہ گیا۔[2]

---

[1] الانبیاء: ۲۱/ ۵۱-۶۹

[2] البقرۃ: ۲/ ۲۵۸

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ حق اور پیغامِ توحید سنانے کی پاداش میں بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ دُکھ سہے اور تکلیفیں اٹھائیں۔ ۷۵ برس کے تھے کہ حکم خدا سے اپنے آبائی وطن کو خیر باد کہہ کر کنعان میں جا پہنچے۔ وہاں سے مصر گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ برس کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جیسا فرماں بردار بیٹا عطا کیا۔ آپ نے خدا کے حکم سے اپنی بیوی ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اس ویران اور بے آباد جگہ آباد کیا جہاں اب مکہ معظمہ ہے اور عرض کیا:

''اے ہمارے پروردگار! میں اپنے کنبے کو ایک ایسی وادی میں بسا آیا ہوں جہاں کوئی چیز نہیں اُگتی۔ البتہ اُنھیں تیرے حرمت والے گھر کا قرب اور نزدیکی حاصل ہوگی تاکہ وہ نماز کو قائم کریں۔''[1]

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس وقت مکے میں نہ کوئی جاندار تھا اور نہ پانی۔[2]

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو یہاں چھوڑ کر واپس جانے لگے تو بیوی نے اپنے شوہر کو مخاطب کر کے پوچھا:

ہمیں کس کے سپرد کر چلے ہو؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے: خدا کے سپرد۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کہنے لگیں: میں خدا پر راضی ہوں۔

مکے کی وادی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بڑا رتبہ دیا۔ ان کے لیے پانی کا چشمہ بہایا۔ صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی تگ و دو اور سعی کو حاجیوں کے لیے ایک یادگار قرار دے کر مناسکِ حج میں سے ٹھہرایا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے انبیاء اور صالحین کی ایک جماعت

---

[1] إبراهيم: ١٤/٣٧

[2] صحيح البخاري: ٣٣٦٤

پیدا کی۔[۱]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ آپ کو آگ میں ڈالا گیا لیکن آپ ثابت قدم رہے۔ آپ کو وطن عزیز چھوڑنا پڑا پھر بھی آپ کے پاؤں نہ ڈگمگائے۔ آپ کو خواب میں اشارہ ہوا کہ بیٹے کی قربانی کرو۔ آپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب ذبح کرنے کے لیے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور چھری چلانے لگے تو بارگاہِ ایزدی سے حکم آیا کہ اے ابراہیم، بس! آپ نے خواب سچ کر دکھایا، یہی مقصود تھا اور بشارت ملی: ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾[۲] حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلے جانور کی قربانی کا حکم ملا۔ اسی واقعہ کی یاد میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔[۳]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبہ تعمیر فرمایا۔[۴]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا۔[۵]

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خُلق کی تعریف فرمائی: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾[۶] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑی عزت بخشی اور فرمایا: ﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾[۷] ''اے ابراہیم علیہ السلام! میں تمھیں سب قوموں کا امام بنانے والا ہوں۔'' چنانچہ تمام مذاہب کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور رہبر مانتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے بے شمار پیغمبر اور صُلحا و اتقیا پیدا ہوئے۔ ہمارے

---

۱ صحيح البخاري: ٣٣٦٤ و تاريخ الطبري: ١/٢٣٣-٢٣١
۲ الصافات: ٣٧/١٠٢-١٠٧
۳ سنن ابن ماجه: ٣١٢٧ و مسند أحمد: ١٩٢٨٣
۴ البقرة: ٢/١٢٧
۵ الحج: ٢٢/٢٧
۶ التوبة: ٩/١١٤
۷ البقرة: ٢/١٢٤

رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی انھی کی اولاد ہیں۔

## ۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کی نسل بنو اسرائیل مشہور ہوئی۔ ایک مرتبہ قحط پڑا تو بنو اسرائیل مصر میں جا بسے۔ وہاں ان کی اولاد بڑی پھلی پھولی اور وہ مدت تک مصر میں بڑے عیش کی زندگی گزارتے رہے۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ شاہانِ مصر بنو اسرائیل پر اتنا ظلم و جور کرنے لگے کہ ان کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا کہ وہ بنو اسرائیل کو فرعونِ مصر کے مظالم سے نجات دلائیں۔[1]

فرعونِ مصر بنو اسرائیل کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مروا دیتا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے انھیں صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا اور بیٹی کو کہا کہ پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ کیا انجام ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صندوق دریا میں تیرتے تیرتے فرعون کے محل کے سامنے سے گزرا۔ فرعون کی بیوی نے دیکھا کہ اس میں چاند سا بچہ ہے۔ اس کا دل پسیج گیا اور بچے کو نکال کر پالنا شروع کر دیا۔ اب بچہ ہے کہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے انھیں مشورہ دیا کہ فلاں عورت ہے شاید اس کا دودھ پی لے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پھر ماں کی گود میں لوٹا دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو ایک قبطی اور ایک اسرائیلی کو جھگڑتے دیکھ کر خونِ اسرائیل جوش میں آ گیا اور قبطی کو مُکّہ مار کر ہلاک کر دیا۔

فرعون اور قبطیوں کے خوف کے مارے حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے بھاگے۔ راستے میں ایک کنواں تھا۔ وہاں دو لڑکیاں اپنا ریوڑ لیے کھڑی انتظار کر رہی تھیں کہ چرواہے اپنی بھیڑ بکریوں کو پانی پلا کر ایک طرف ہو جائیں تو وہ بھی اپنی بھیڑ بکریوں کو پانی پلائیں۔ حضرت

[1] الاعراف: ۷/۱۰۳-۱۰۶

موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حال پر ترس کھایا اور پانی نکال کر ان کے ریوڑ کو پلا دیا۔

یہ لڑکیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوت اور امانت کے اوصاف سے پہچان لیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عقدِ نکاح میں دے دی۔

وہاں سے روانہ ہوئے تو طورِ سینا پر آگ دیکھی۔ پہاڑ پر پہنچے تو نبوت سے سرفراز کیے گئے اور فرعونِ مصر اور اس کی رعایا کو تبلیغ کرنے کے لیے مامور ہوئے۔

فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحر و جادوگر ٹھہرایا اور مقابلے کے لیے سارے ملک کے جادوگروں کو لا کھڑا کیا۔ عصائے موسوی کے سامنے جادوگروں کی تمام شیخی کرکری ہوگئی۔ ان کا سارا طلسم ٹوٹ گیا اور انھیں اعترافِ عجز کے سوا اور کوئی راہ نظر نہ آئی۔[1]

پھر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنواسرائیل کا تعاقب کیا۔ بنواسرائیل پکار اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا، میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ میری رہبری فرمائے گا۔ فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں غرق ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی صحیح سلامت بچ کر نکل گئے۔[2]

حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے صاحبِ عزیمت پیغمبر گزرے ہیں۔ تورات کے مطابق تو بنواسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا کوئی نبی نہیں ہوا۔

جب تاجِ نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سر پر رکھا گیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے انشراحِ صدر عطا کر۔ میری زبان کو روانی دے اور میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر مقرر فرما دے۔ یہ دعا قبول ہوگئی۔[3]

دونوں بھائیوں نے مل کر فرعون کو پیغامِ حق سنایا۔ وہ سلطنت کے نشے میں بدمست تھا۔

---

[1] القصص: ۲۸/۱-۴۲

[2] الشعراء: ۲۶/۵۲-۶۸

[3] طٰہٰ: ۲۰/۲۵-۳۶

حق کی آواز سننا کب گوارا تھا۔ دشمنی پر اتر آیا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کی اور دشمنِ دین کو لاؤ لشکر سمیت سمندر کی لہروں کی نذر کر دیا۔[۱]

## ۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

انبیائے کرام علیہم السلام کے گروہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شانِ بلند بہت نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کَلِمَةُ اللّٰہ[۲] اور رُوْحُ اللّٰہ[۳] کے پاکیزہ القاب سے یاد کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک نہایت پاکیزہ اور نیک گھرانے میں ہوئی۔ ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی پیدائش کے وقت ان کی ماں نے دعا مانگی تھی:

"اے اللہ! میں اس لڑکی (مریم) کو اور اس کی نسل کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"[۴]

مریم صدیقہ کی تربیت حضرت زکریا علیہ السلام جیسے بزرگ پیغمبر کے زیر سایہ ہوئی۔[۵]

مریم صدیقہ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا۔ لوگ مریم صدیقہ پر بہتان باندھنے کو تیار ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں سے بول اٹھے:

﴿إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾[۶] "میں اللہ کا بندہ ہوں، صاحب کتاب نبی ہوں۔" چند دن کے بچے کی زبان چلتے دیکھ کر سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی بارہ تیرہ برس کے لڑکے ہی تھے کہ آپ نے لوگوں کو برائیوں سے روکنا اور نیکیوں کی طرف بلانا شروع کر دیا۔

---

۱ البقرة:۲/۵۰ و الانفال:۸/۵٤ و یونس:۱۰/۹۰

۲ آل عمران:۳/٤۵ و مسند أحمد:٤٤۰۰

۳ النساء:٤/۱۷۱

٤ آل عمران:۳/۳٦

۵ آل عمران:۳/۳۷

٦ مریم:۱۹/۱٦-۳۰

اس زمانے کے یہودی بڑے بد باطن تھے۔ مَن کی دنیا کو فراموش کر کے تَن کی دنیا کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ دھن دولت ان کا ایمان تھا۔ دولتِ دین و ایمان سے محروم ہو چکے تھے۔ ان کے مذہبی پیشوا اور دینی راہنما بھی عوام کی طرح ریاکار اور مکار تھے۔ جب جی چاہتا خدا کے احکام کو بدل دیتے۔ ذاتی خواہشات کو احکامِ الٰہی کا نام دے کر مذہب کے طور پر پیش کرتے۔ دھوکے بازی اور فریب کاری سے غریبوں کا مال کھا جاتے۔ حرام خوری، سُود، بدکاری اور بد دیانتی ان کا شعار بن چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنو اسرائیل کی اصلاح کے لیے مامور فرمایا اور ان کو معجزات دیے تاکہ لوگ ان کے معجزوں کو دیکھ کر خدا کی طرف جُھک جائیں۔ خدا نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ذریعے لاچار مریضوں کو صحت بخشی، اندھوں کو بینائی اور بصارت عطا کی، اپاہجوں کو تندرست کر دیا۔ مگر اس کے باوجود اسرائیلی قوم نے ان کی آواز پر کان نہ دھرے۔ ان سے ہنسی مذاق کیا۔ ان پر تہمتیں تراشیں اور جب کوئی حربہ بھی کارگر نہ ہوا تو ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہودیوں کے ظلم سے نجات دی۔ سُولی پر چڑھنے سے بچا کر آسمان پر اٹھا لیا۔[1]

حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی رسالت کے دو مقصد بیان کیے، ارشادِ باری ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِي إِسْرَآئِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ﴾[2]

''عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے کہا: اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تورات کی تصدیق کرنا اور اپنے بعد آنے والے رسول کی جس کا نام احمد ہوگا، خوشخبری سنانا میرا مشن اور منصب ہے۔''

---

[1] آل عمران: ۳/۴۹-۵۵ و المائدۃ: ۵/۱۱۰ و النساء: ۴/۱۵۷-۱۶۱

[2] الصف: ۶۱/۶

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ عیسائیوں نے اپنے پیغمبر پر نازل شدہ کتاب کو بدل ڈالا اس میں تحریف کر دی۔[۱] بجائے ابن مریم کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہنے لگے۔[۲] اور جن برائیوں سے حضرت مسیح علیہ السلام نے روکا تھا انھی برائیوں کا ارتکاب کیا۔[۳]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے بُردبار، حلیم الطبع، پاکباز، نیک سیرت اور خوش خلق تھے۔

## ۶۔ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (۵۷۱ برس) بعد ملک عرب کے مشہور شہر مکہ اور قریش کے معزز خاندان میں حضرت آمنہ کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا۔ ماں نے خواب میں بشارت پا کر اپنے لاڈلے بیٹے کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا اور دادا نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔[۴] مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ماں نے آپ کا نام احمد پہلے رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کی دعا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت پوری ہوگئی۔[۵] اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو 'دعائے خلیل و نوید مسیحا' کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن یتیمی میں گزرا، دادا اور چچا کی زیرِ نگرانی تربیت پائی۔ لڑکپن میں شام کا پہلا سفر کیا۔[۶] ذرا جوان ہوئے تو جنگ فجار میں چچا کے ہمراہ شامل ہوئے۔[۷] 'حِلْفُ الْفُضُوْل' کے مشہور سمجھوتے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔[۸]

---

۱ المائدۃ:۵/۱۳

۲ التوبۃ:۹/۳۰

۳ المائدۃ:۵/۷۹

۴ سیرۃ ابن ہشام:۱/۱۵۷-۱۶۰ و سبل الھدیٰ:۱/۳۶۰

۵ مسند احمد: ۱۷۱۵۰ و الصحیح لا بن حبان: ۶۴۰۴

۶ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ:۱/۱۶۸، ۱۷۹

۷ دلائل النبوۃ للبیہقی:۲/۲۴

۸ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ:۱/۲۵۵

آپ ﷺ کو اجتماعی اور سوشل کاموں سے بڑی دلچسپی تھی۔ عوام کی بہتری کے لیے آپ ﷺ ہر وقت کوشاں نظر آتے تھے۔

بچپن میں جب والدہ ماجدہ کے ساتھ یثرب گئے تو وہاں ایک باؤلی (کنویں) میں تیرنے کی خوب مشق کی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سر مبارک پر تاجِ ختمِ نبوت رکھ کر آپ کی ذات میں وہ تمام اوصافِ حمیدہ اور فضائل پسندیدہ جمع کر دیے جو انفرادی طور پر تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں موجود تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے سب چیزوں کے نام سیکھ کر اپنی اولاد کو سکھائے۔ حضرت رسول مقبول ﷺ نے لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دی اور وہ علوم ومعارف سکھائے جو لوگ نہ جانتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے اشرف المخلوقات ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے فرشتے ان کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خیر البشر اور سید المرسلین بنا کر آپ ﷺ پر خود درود بھیجا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ ہر وقت آپ ﷺ پر درود بھیجتے رہیں۔[2]

حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''ہم نے ادریس علیہ السلام کو درجۂ عالی پر بلند کیا۔''[3]

نبی کریم ﷺ کے حق میں فرمایا:

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾[4]

''ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔''

---

[1] طبقات، ابن سعد: ۱/۱۱٦ و سبل الهدى: ۹/۳۹٦

[2] الاحزاب: ۳۳/٥٦

[3] مریم: ۱۹/٥۷

[4] الانشراح: ۹٤/٤

آپ ﷺ کی شان اور ذکر کی بلندی و رِفعت ملاحظہ ہو کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے وہاں آپ ﷺ کا نام بھی ضرور آتا ہے۔کلمہ توحید، اذان، تکبیر، تشہد اور درود شریف سب میں خدا اور حبیب خدا ﷺ کا ذکر برابر آتا ہے۔

سب پیغمبر اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے زمانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔لیکن حضرت رسول مقبول ﷺ کو تمام کائنات کی طرف اور ہر زمانے کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا۔قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿ قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّى رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ﴾[1]

''اے محمد (ﷺ) تمام نوع انسانی کو یہ پیغام سنا دو کہ میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے عہد میں بت خانے کے بتوں کو پاش پاش کیا تو حضرت رسول مقبول ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ کے ۳۶۰ بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔[2]

حضرت یوسف علیہ السلام کو زندان میں رہنا پڑا، بھائیوں نے چاہِ سیاہ میں پھینک دیا۔وطن عزیز چھوڑنا پڑا۔آنحضرت ﷺ کو بھی شِعب ابی طالب میں محصور رہنا پڑا اور غارِ ثور کی تاریکیوں میں تین دن گزارے۔[3]

اگر خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تو حضرت نبی کریم ﷺ کو معراج میں اپنا قرب و نزدیکی عطا کر کے ہم کلامی کے شرف سے نوازا۔[4]

اگر حضرت ہارون علیہ السلام کو فصاحت و بلاغت سے نوازا گیا تو نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اَفصح العرب قرار دے کر فصاحت و بلاغت کا بہرہ وافر عطا کر کے ذُروۂ اعلیٰ پر پہنچا دیا۔تمام قبائل

---

[1] سورة الأعراف: ۷/۱۵۸

[2] صحيح البخاري: ۲٤۷۸ و صحيح مسلم: ۱۷۸۱

[3] دلائل أبو نعيم، ص ۲۷۱ و دلائل النبوة للبيهقي: ۲/۳۱۱، ٤٦٦ و صحيح البخاري: ۲۲٦۳

[4] الإسراء: ۱۷/۱

کے لہجے اور بولیوں میں بھی آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔[1]

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جنات نے بھی سنا اور وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان لائے۔[2]

مختصر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسیح علیہ السلام کی طرح جھٹلائے اور ستائے گئے پھر بھی صابر وشاکر ہی پائے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکریا علیہ السلام کی طرح صحراؤں اور آبادیوں میں خدا کی آواز کو پہنچایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا کے گھر کی عظمت وحُرمت کو از سرِ نو زندہ فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایوب علیہ السلام کی طرح صبر وشکیبائی کے ساتھ شِعبِ ابی طالب میں تین برس تک محصور رہنا گوارا کیا، مگر تبلیغ حق سے باز نہ آئے۔

آپ نے سلیمان علیہ السلام کی طرح مدینہ منورہ میں خدا کی عبادت کے لیے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔ جہاں ہر وقت توحید کی روشنی جلوہ ریز ہوتی اور ذکر الٰہی میں زباں زمزمہ سنج رہتی ہے۔[3]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب حکومت اور ہارون علیہ السلام کی طرح صاحب امامت تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں نوح علیہ السلام کی گرمجوشی، ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سی نرم دلی، یوسف علیہ السلام جیسا عفو ودرگزر، داؤد علیہ السلام کی سی فتوحات، یعقوب علیہ السلام کا سا صبر، سلیمان علیہ السلام کی سی سطوت وجبروت، عیسیٰ علیہ السلام کی طرح انکسار وتواضع، زکریا علیہ السلام کا سا زہد وعبادت اور اسمٰعیل علیہ السلام جیسا ایثار وقربانی اور تسلیم ورضا پورے طور پر موجود تھا۔

اے کہ بر تختِ سیادت ز ازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

---

1. شرف المصطفی: ۲/۴۹ و سبل الهدی: ۱/۴۲۹، ۲/۹۳
2. الاحقاف: ۴۶/۲۹-۳۲ و الجن: ۷۲/۱-۱۵ و صحیح البخاری: ۷۷۳
3. سیرت ابن هشام: ۱/۴۹۶ و دلائل النبوة للبیهقی: ۲/۵۳۸

آپ ﷺ بڑے صائب الرائے تھے۔ ہمیشہ بڑے سادہ مگر صاف ستھرے رہتے تھے۔ باوجود حاضر جواب ہونے کے وقار اور ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پایا۔

آپ ﷺ کا سیاسی تدبر اور عسکری قیادت اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

آپ ﷺ نے اپنے کردار اور تعلیم سے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ نظامِ کہنہ کے ظلموں کو حرف غلط کی طرح مٹا کر نیا عادلانہ نظام حیات قائم کیا، اخلاق حسنہ کی بنیاد رکھی اور عمدہ خصلتوں کی رسم ڈالی۔

آپ ﷺ نے جور وظلم کو مٹانے کے لیے تلوار بھی اٹھائی۔ سرکش حکمرانوں اور ظالم سرداروں کے خلاف لشکرکشی کر کے جمہور کو ذلت سے نکال کر عزت کی زندگی بخشی۔ آپ ﷺ نے ایسے قوانین نافذ کیے جو عدل وانصاف پر مبنی تھے اور جن میں عوام کا بھلا تھا۔ آپ ﷺ نے جمہور کو ذہنی غلامی سے نجات دلا کر سرمایہ داروں کے مظالم سے رہائی دلائی۔

آپ ﷺ نے امیر وغریب اور بندہ وآقا کے امتیازات ختم کر کے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں عزت وشرافت کا معیار دولت وثروت اور نسل وخون نہ تھا، بلکہ ذاتی خوبیاں اور اِنفرادی نیکیاں معیار قرار دی گئیں۔ آپ ﷺ نے توحید کی اشاعت کر کے انسانی شرافت اور بزرگی کو بلند تر کر دیا۔

آپ ﷺ خدا کے آخری پیغمبر ہیں۔ آپ کے بعد اور کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

آپ ﷺ کی اُمت آخری امت ہے اور قرآن مجید خدا کی آخری کتاب۔

آپ ﷺ کا کام بڑا مشکل تھا۔ آپ ﷺ کی منزل بڑی کٹھن تھی۔ لیکن آپ ﷺ نے بڑی حوصلہ مندی، بڑی ہمت وجسارت، بڑی بے باکی اور حق گوئی سے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ دنیا محوِ حیرت رہ گئی۔ آپ ﷺ نے ایک جاہل اور اجڈ قوم میں اور ان کے ذریعے سے ساری دنیا میں ذہنی انقلاب پیدا کیا، اجتماعی اور سماجی انقلاب پیدا کیا، سیاسی اور مذہبی انقلاب پیدا کیا، اقتصادی اور معاشی انقلاب پیدا کیا۔

آپ ﷺ نے دنیا کو ایک ایسا دستور العمل عطا کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اگر آج ہم جادۂ توحید پر گامزن ہونے کا تہیہ کر لیں اور صراطِ محمدی کو اپنے لیے شاہراہ قرار دے لیں تو فلاح و کامرانی آج بھی ہمارے قدم چومنے لگے، ہم پھر سے نئے نظامِ حیات کی بنیاد رکھیں۔ ساری خدائی اور پوری کائنات ہماری بن جائے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں

## ۴۔ اِلہامی کتابوں پر ایمان

اللہ عزوجل، اس کے فرشتوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لانے کے بعد خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا بھی ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ ان کتابوں کے ذریعے ہم خدا کے احکام اور ہدایتوں کو جانتے ہیں۔ صرف الہامی کتابیں ہی ہمارے لیے نیکی و بدی کی تمیز کا ایسا معیار مقرر کرتی ہیں جس کو سب چھوٹے بڑے اور عالم و جاہل برابر تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول سب سے پہلے مومن ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر سب سے پہلے رسول ایمان لاتے ہیں۔ قرآن مجید نے فرمایا:

۱۔﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾[1]

''رسول ایمان لائے اس پر جو کہ ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا اور مومن بھی ایمان لائے۔''

۲۔﴿قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ﴾[2]

1. البقرۃ:۲/۲۸۵
2. الشوریٰ:۴۲/۱۵

''اے نبی (ﷺ) کہہ دیں کہ میں ایمان لایا اس پر جو اللہ نے نازل کیا کتاب میں سے۔''

پھر عام لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ کی کتابوں پر ایمان لائیں۔ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا:

۱۔﴿ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ الْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَ الْکِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾[1]

''اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری۔''

۲۔﴿ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ﴾[2]

''پرہیز گار وہ ہیں جو ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ پر اتاری گئی اور اس پر جو آپ سے پہلے اتاری گئی۔''

۳۔﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﴾[3]

''اور (جو لوگ) ایمان لائے اس کتاب پر جو حضرت محمد (ﷺ) پر اتاری گئی۔''

۴۔﴿قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا﴾[4]

''اے لوگو! کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور کتاب پر جو ہماری طرف اتاری گئی (اور ان کتابوں پر جو پہلے انبیاء پر نازل ہوئیں۔)''

پہلی آیت میں ایمانداروں کو دعوت دی کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر، ایمان لائیں۔ دوسری آیت میں پرہیز گاروں کی نشانی بتائی کہ وہ ایمان بالغیب

---

[1] النساء:٤/١٣٦

[2] البقرة:٢/٤

[3] محمد:٤٧/٢

[4] البقرة:٢/١٣٦

لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، پھر قرآن اور دوسری کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ تیسری آیت میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوئی کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں، تو اس کے بدلے میں اللہ ان لوگوں کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور ان کے حالات درست کر دیتا ہے۔ چوتھی آیت میں بھی قرآن مجید اور پہلی کتابوں پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے حالات کے پیش نظر احکام نازل فرمائے۔ ہر نبی اپنی قوم کے لیے پیغامِ خدا لایا۔ ہر عہد کے لوگوں کے مسائل اور امراض مختلف تھے۔ بعض پیغمبر نئی شریعت لے کر آئے اور بعض نے گزشتہ پیغمبروں کی تعلیم کو دہرایا۔ بعض صاحبِ کتاب نبی تھے اور بعض کو کوئی کتاب بھی نہ ملی۔

ایک مسلمان کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کو اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب مانے، اس کے حکموں پر چلے اور اس میں کسی کمی بیشی کا شک وشبہ نہ کرے۔ وہاں ایک مسلمان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اُن کتابوں کو بھی الہامی سمجھے جو خدائے تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً گزشتہ انبیاء پر صحیفوں اور کتابوں کی صورت میں نازل کیں۔

اللہ تعالیٰ نے الہامی کتابوں کو صُحُفِ اُولیٰ اور زُبُر اولین کے ناموں سے بھی یاد کیا ہے۔[1] قرآن مجید میں صحفِ ابراہیم علیہ السلام اور صحفِ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی آتا ہے۔[2]

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب ملی اسے تورات کہتے ہیں۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی اور

۴۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن مجید عطا ہوا۔ یہی چار الہامی کتابیں زیادہ تر مشہور ہیں۔[3]

---

[1] طٰہٰ: ۲۰/۱۳۳ و الشعراء: ۲۶/۱۹۶

[2] الأعلیٰ: ۸۷/۱۹

[3] آل عمران: ۳/۳ و النساء: ۴/۱۶۳ و یوسف: ۱۲/۳

## ا۔ تورات

تورات مقدس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ ہم نے تورات اتاری۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ خدا کے فرماں بردار نبی تورات کے حکموں کے مطابق یہودیوں کے فیصلے کرتے ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا کہ یہودی تورات میں ردّ و بدل کر لیتے ہیں۔[2] تحریف و تصحیف نے اس کی اصلی شکل و صورت بگاڑ دی ہے۔

یہودی ہمیشہ ہمسایہ ملکوں کے تختۂ مشق بنے رہے۔ ان پر کئی بار حملے ہوئے۔ یہودی کئی بار قتل و غارت کا شکار ہوئے۔ ان حالات میں تورات بھی کئی مرتبہ ضائع ہوئی لیکن یہودی علماء اور اَحبار نے ہر مرتبہ تورات کو از سرِ نو مرتب کرنے کی کوشش کی۔

جو تورات اس وقت رائج ہے، اس میں پانچ کتابیں ہیں:

۱۔ کتاب پیدائش: اس میں تخلیق کائنات سے لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے زمانے تک کے حالات درج ہیں۔

۲۔ کتاب الخروج: اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی، اسرائیلیوں کے مصر سے نکلنے کے حالات درج ہیں۔

۳، ۴، ۵۔ تیسری، چوتھی اور پانچویں کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور شریعتِ موسوی کی تفاصیل درج ہیں۔

تورات کے ترجمے ہر زبان میں ملتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ وہ کس زبان میں نازل ہوئی تھی۔ ایک تو تحریف و تبدیلی نے اس میں شکوک پیدا کر دیے ہیں۔ دوسرے ترجمہ در ترجمہ نے اس کے مطالب کو مسخ کر دیا ہے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو صرف یہی ماننا کافی ہے کہ اصلی تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔

---

[1] المائدۃ: ۵/ ٤٤

[2] النساء: ٤/ ٤٦ و المائدۃ: ۵/ ٤۱

## ۲۔ زَبور

زبور کے لفظی معنی ہیں لکھی ہوئی چیز یا کتاب۔ اس کی جمع زُبُر قرآن مجید میں استعمال ہوئی ہے[1] جس سے مراد الہامی کتاب ہے۔

زبور وہ الہامی کتاب ہے جو حضرت داوٗد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾[2]

''ہم نے داوٗد کو زبور دی۔''

حضرت داوٗد علیہ السلام بنو اسرائیل میں بڑی عزت وشان والے نبی گزرے ہیں۔ انھوں نے اسرائیلیوں کی کھوئی عظمت کو بحال کیا۔ اسرائیلیوں کے تفرقے کو اتفاق واتحاد میں تبدیل کر دیا۔ وہ بیک وقت نبی بھی تھے اور حکمران بھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں نعمتِ حُکم وعلم سے نوازا تھا۔[3] خدا کا فضل ان کے شامل حال ہوا۔ لوہا ان کے لیے نرم کر دیا گیا اور وہ صنعت وحرفت میں لوہے سے فائدہ اٹھانے لگے۔[4]

حضرت داوٗد علیہ السلام بڑے بہادر اور طاقتور پیغمبر تھے۔ انھوں نے بڑی شان وشوکت سے حکومت کی۔ اپنے دشمنوں کو زیر کر کے شاندار فتوحات حاصل کیں۔

اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کی مقدس کتابوں میں حضرت داوٗد علیہ السلام کے گیت اور ترانے بھی شامل ہیں۔

## ۳۔ اِنجیل

جو الہامی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام کو ملی تھی، اُسے اِنجیل

---

[1] آل عمران:۳/۱۸٤ و النحل:۱٦/٤٤

[2] النساء:٤/١٦٣ و الإسراء:١٧/٥٥

[3] الأنبياء:٢١/٧٩

[4] سبا:٣٤/١٠

کہتے ہیں۔ انجیل کا لفظ یونانی زبان میں بشارت اور خوش خبری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ پیغام ہے جو انھوں نے گمراہ اور بھٹکے ہوئے اسرائیلیوں کو سنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انجیل کا ذکر کئی مرتبہ کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

> ''ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو پہلے پیغمبروں کے نقش قدم پر بھیجا تاکہ وہ پہلے اُتری تورات کی تصدیق کریں اور ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی۔ اس میں ہدایت ونور ہے۔ اس میں پہلے سے موجود تورات کی تصدیق ہے، نیز پرہیزگاروں کے لیے راہنمائی اور نصیحت ہے۔''[1]

وہ انجیل جو اب مروّج ہے، الہامی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں بجائے احکام الٰہی درج ہونے کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات درج ہیں اور طرزِ تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چیزیں بعد کے لوگوں نے حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام کے حالات کے طور پر لکھ دی ہیں۔

مولانا شبلی نے ''علم الکلام'' میں امام غزالی وغیرہ کے حوالے سے تورات اور انجیل کی تحریف کا یوں ذکر کیا ہے:

> ''ان کتابوں کے نسخوں میں سخت اختلاف ہے اور چونکہ ان میں کسی طرح تطبیق نہیں ہوسکتی، اس لیے ان میں سے کسی پر اعتبار نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ ان میں اکثر کتابیں خلافِ عقل ہیں اس لیے وہ منزل من اللہ نہیں ہوسکتیں۔''

مروّجہ انجیل چار کتابوں پر مشتمل ہے:

۱۔ متی کی انجیل۔
۲۔ مرقس کی انجیل۔
۳۔ لُوقا کی انجیل۔
۴۔ یُوحنّا کی انجیل۔

[1] المائدۃ:۵/۴۶

ان چار انجیلوں کے علاوہ اور لوگوں کی لکھی ہوئی انجیلیں بھی موجود ہیں۔ لیکن عیسائی حلقوں میں انھی چار کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔

اُس زمانے میں لوگ اپنی بدکرداریوں کے باعث خدا سے بہت دور ہو گئے تھے اور ایک دوسرے پر ظلم و ستم کرنے کو عیب اور گناہ نہ سمجھتے تھے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے خدا کو محبت ٹھہرایا اور رحم، نرمی، ہمدردی اور حسن سلوک کی تلقین کی۔

## ۴۔ قرآن مجید

الہامی کتابوں میں قرآن مجید آخری کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل کی۔ قرآن مجید آنحضرت ﷺ پر ۲۳ سال کی مدت میں آہستہ آہستہ حسبِ ضرورت نازل ہوتا رہا۔ پہلی وحی غارِ حرا میں اتری۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام قرآن مجید لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ کچھ سورتیں مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں، انھیں مکی سورتیں کہتے ہیں اور کچھ مدینہ منورہ میں اُتریں، ان سورتوں کو مدنی کہتے ہیں۔ بعض سورتیں بڑی لمبی ہیں، مثلاً: سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، وغیرہا۔ بعض سورتیں بڑی چھوٹی اور مختصر ہیں، جیسے: سورۃ العصر، سورۃ الکوثر اور سورۃ النصر۔

مکی سورتوں میں تبلیغ دین کے خیال سے تنبیہ اور انذار کا پہلو نمایاں ہے۔ بہشت اور دوزخ، حشر اور نشر کا ذکر کر کے ترغیب و ترہیب کا انداز اختیار فرمایا ہے۔ مدنی سورتوں میں احکامِ دین، حسنِ معاملہ، امورِ سلطنت اور ملکی قوانین و تعزیرات کا ذکر ہے۔

قرآن مجید کی موجود ترتیب الہامی ہے۔ جیسے جیسے کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تھی۔ ساتھ ہی اس کا مقام اور محل بتا دیا جاتا تھا۔ اس ترتیب میں نہ نبی ﷺ کے ارادے اور منشا کو دخل ہے نہ کسی صحابی کو۔ یہ ترتیب حکم الٰہی اور منشائے ایزدی سے جناب رسالت مآب ﷺ کے دست مبارک سے عمل میں آئی تھی۔

تلاوت کی سہولت کے پیش نظر قرآن مجید کو ۳۰ پاروں اور ۷ منزلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر پارے میں مختلف رکوع ہیں۔ کسی پارے میں کم، کسی میں زیادہ۔ چونکہ آخری پارے میں سورتیں مختصر اور چھوٹی چھوٹی ہیں اور سورت ایک رکوع کی ہے، اس لیے اس پارے کی تعدادِ رکوع سب سے زیادہ ہے۔ ہر رکوع میں چند آیات ہیں۔ یہ سب کچھ تلاوت کرنے والوں کی آسانی اور سہولت کے لیے ہے۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں قرآن مجید کے حروف کے نقطے اور زبر یں زیریں وغیرہ موجود نہ تھیں۔ اس زمانہ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھتے وقت صرف حروف کی شکلیں لکھ دینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ عرب تو محاورے سے پڑھ لیتے تھے لیکن دوسرے لوگوں کے لیے پڑھنا بڑا مشکل تھا۔ قرآن مجید کا پڑھنا سہل اور آسان بنانے کے لیے حرفوں کے نقطے اور زبر، زیر، پیش وغیرہ لکھنے کا سہرا عراق کے نامور صوبائی حکمران حجاج بن یوسف کے سر ہے۔[1] یہ مردِ مجاہد بنو امیہ کے عہد میں مشرق وسطیٰ کا وائسرائے اور کمانڈر تھا اور شمشیر وسنان کا دھنی ہونے کے ساتھ علوم ومعارف کے بہرہ وافر کا مالک تھا۔

قرآن مجید اپنی زبان، اپنے پیغام، اپنے اندازِ بیان اور طرزِ استدلال کے لحاظ سے بے نظیر کتاب ہے۔ زبان ایسی میٹھی اور شیریں ہے کہ اس کی نثر پر سو شاعری قربان۔ پیغام اتنا انقلاب انگیز اور سحر آفریں ہے کہ دنیا کے ساحر اور انقلابی انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ اس کا اندازِ بیان اتنا اچھوتا اور طرزِ استدلال اتنا نرالا ہے کہ علمی دنیا ورطۂ حیرت میں غرق ہے، قرآن کی زبان ایک معجزہ ہے۔ اس کی نثر کے سامنے کہنہ مشق شاعروں کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ اس کے پیغام نے ذہنوں اور دماغوں میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کیا کہ عرب کے صحرا نشین اور شتربان قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کے وارث ٹھہرے۔ اس کے اندازِ بیان اور طرزِ استدلال کی بدولت کتنے ہی علوم معرضِ وجود میں آ کر پروان چڑھے اور عربی زبان و ادب کی زینت بنے۔

[1] القرطبی، التفسیر: ۱/۶۳ و ابن کثیر، التفسیر: ۱/۵۰

قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خدائے رحمان نے اٹھایا، فرمایا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾[1]

''ہم نے قرآن مجید (جو کتاب عبرت ونصیحت ہے) نازل فرمایا اور ہم خود اس کے محافظ ونگہبان ہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی اشاعت کو عام کرنے کے لیے عہد نبوی کے قرآن مجید کی نقلیں کرا کے عالم اسلام میں نشر کر دیں۔ ان بزرگوں کو قرآن مجید جمع کرنے، ترتیب دینے یا لکھوانے کی ابتدا کرنے میں کوئی دخل نہیں۔ جامع قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہیں، خود خدائے رحمان ہے جس نے اعلان فرما دیا تھا:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ﴾[2]

یعنی قرآن مجید کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارا ذمہ ہے۔

قرآن مجید نے تمام اجتماعی مسائل کو بڑی خوبی سے سلجھایا ہے۔ قرآن مجید نے ایک نیا معاشرہ پیدا کیا۔ اس معاشرے کو نئے اقتصادی، سماجی اور معاشی اصول عطا کیے۔ قرآن ایک نیا آئین لے کر آیا۔ جس نے انسانیت کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ قرآن مجید نے ایک ایسے نظامِ حکومت کی داغ بیل ڈالی جس میں ایک مزدور سے لے کر حکمران تک سب برابر کے حصے دار اور شریک ہیں۔ جہاں مزدور اس لیے ذلیل نہیں کہ وہ غریب مزدور ہے۔ بلکہ وہ ایک قابلِ عزت شہری ہے جو حلال کی روزی کماتا ہے۔ اس حکومت میں حکمران اس لیے معزز نہیں کہ وہ حکمران ہے بلکہ وہ اس لیے معزز ہے کہ وہ رعایا کا خیر خواہ اور غمگسار ہے۔

قرآن مجید نے دولت کو عزت کا معیار نہیں ٹھہرایا بلکہ ذاتی عمل اور انفرادی کردار و سیرت کو معیارِ شرافت و بزرگی قرار دیا ہے۔

قرآن مجید پیغامِ رحمت ہے، رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے، قوموں کی کامیابی کا ضامن

[1] الحجر: ۹/۱۵

[2] القیامۃ: ۱۷/۷۵

ہے۔ امن وسلامتی کا علمبردار ہے۔ قرآن مجید حریت ومساوات کا داعی ہے۔ اس نے کالے اور گورے کے اختلافات کو یک قلم مٹا دیا۔ یہ نیکی اور دینداری کا منبع ہے۔ قرآن مجید افراد و اقوام کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ قرآن مجید علم وحکمت اور معرفت و دانش کی کتاب ہے۔ اس میں فلسفۂ الٰہیات بھی ہے اور قوموں کے عروج وزوال کے اسباب سے بحث بھی۔ قرآن مجید انسانی نفسیات سے بحث بھی کرتا ہے اور اجتماعی الجھنوں کی گرہ کشائی بھی اس کا موضوع ہے۔ اسرارِ حیات اور رموزِ کائنات بھی قرآن میں موجود ہیں۔

غرضیکہ ہر قسم کی آسانی کے لیے اس کتاب پاک میں ایک درس عبرت وموعظت موجود ہے۔ دیدہ بینا چاہیے جو اس خزینہ علم وحکمت کو غور سے پڑھے اور اپنے من کی دنیا کو بدل کر دھرتی میں ایک انقلاب انگیز معاشرہ پیدا کر دے۔

## ۵۔ ایمان بالآخرت

قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کے لیے آخرت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات میں آخرت کی زندگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اسی عقیدے پر تمام اعمال کا دارومدار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مردمومن کی شان یہ بتائی کہ وہ یوم آخرت اور آخرت کی زندگی پر ایمان و یقین رکھتا ہے، فرمایا:

۱۔ ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾[1]

(نیکوکار وہ ہے) جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر۔“

اللہ پر اور آخرت پر ایمان حقیقی نیکی ہے اور اسی عقیدے پر تمام نیکیوں کا دارومدار ہے۔

۲۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾[2]

---

[1] البقرۃ:۲/۱۷۷

[2] التوبۃ:۹/۴۴

''وہ لوگ جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔''

۳۔﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾[1]

''اور (ہدایت پانے والے) متقی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

۴۔﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾[2]

''(مومن کی دعا یہ ہے کہ) اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی ہمارا بھلا ہو اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لینا۔''

## قیامت

آخرت کے متعلق اسلامی نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب یہ سارا نظام کائنات اور یہ کارخانۂ قدرت درہم برہم ہو جائے گا۔ دنیا کی ہر چیز ختم کر دی جائے گی۔ زمین پھٹ جائے گی۔ پہاڑ اڑا دیے جائیں گے۔ چاند، سورج اور ستاروں سے روشنی چھین لی جائے گی۔ آسمان پھٹ کر ختم ہو جائیں گے۔ غرضیکہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز ختم کر دی جائے گی۔ اس سانحہ کو ساعت اور قیامت کے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا کہ قیامت ضرور آنے والی ہے۔

۱۔﴿إِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾[3]

''یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔''

---

[1] البقرة:۲/۴

[2] البقرة:۲/۲۰۱

[3] المومن:۴۰/۵۹

۲۔﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا ﴾[1]

''بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔''

۳۔﴿ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَارَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾[2]

''اے نبی (ﷺ) کہہ دیجیے کہ اللہ تمھیں زندگی عطا کرتا ہے، پھر وہی تمھیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا، اس دن میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

۴۔﴿ وَ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ﴾[3]

''قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔''

قرآن مجید نے بڑے دعوے سے قیامت کے آنے کا یقین دلایا اور یہ بھی فرمایا کہ قیامت کا انکار کفر کی علامت ہے۔

۵۔﴿ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ﴾[4]

''اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ اے نبی (ﷺ) آپ اپنے رب کی قسم کھا کر کہہ دیں کہ ضرور ضرور آئے گی۔''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے انکار آخرت کو مشرک کی نشانی قرار دیا ہے، فرمایا:

۶۔﴿ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَo الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ

[1] الجاثية: ۳۲/۴۵

[2] الجاثية: ۲۶/۴۵

[3] الحج: ۷/۲۲

[4] سبا: ۳/۳۴

كٰفِرُوْنَ ○﴾[1]

''مشرکین کے لیے ہلاکت و بربادی ہے جو کہ زکوۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔''

قیامت اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں انعام و اکرام ہوں گے۔ انھیں جنت جیسی بڑی نعمت سے نوازا جائے گا۔ انھیں رضائے الٰہی اور اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ لیکن اس کے مقابلے قیامت اور آخرت کو نہ ماننے والوں کو بہت بڑا گمراہ قرار دیا گیا ہے اور انھیں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، فرمایا:

۱۔ ﴿ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ﴾[2]

''وہ لوگ جو آخرت کو نہیں مانتے انھیں عذاب ہوگا اور دنیا میں بھی وہ بڑے گمراہ ہیں۔''

۲۔﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ﴾[3]

''جس دن قیامت بپا ہوگی اس دن قیامت کے منکر گھاٹے میں ہوں گے۔''

۳۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ○﴾[4]

''بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیتے ہیں اور وہ بھٹکے پھرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے بہت بڑا

---

[1] حٰمٓ السجدہ: ۴۱/۶، ۷

[2] سبا: ۳۴/۸

[3] الجاثیۃ: ۴۵/۲۷

[4] النمل: ۲۷/۴، ۵

عذاب ہے اور یہی لوگ آخرت میں بہت نقصان اٹھائیں گے۔''

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ بتایا ہے کہ مرنے کے بعد قبر کا عذاب وثواب برحق ہے۔ نیک لوگ قبر میں راحت اور چین محسوس کرتے ہیں اور بدکردار و گناہگار انسانوں کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔

موت اور قیامت کا درمیانی عرصہ عالَم بَرزَخ کہلاتا ہے۔ اس درمیانی عرصے کا عذاب وثواب بھی عالم برزخ کا عذاب وثواب ہوتا ہے۔

## موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نظام کائنات اور کارخانۂ قدرت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کے لیے ایک صُور (نرسنگھا) میں پھونکا جائے گا۔ یعنی بطور الارم ایک قسم کا سائرن بجے گا۔ اس صُور کی پہلی آواز سن کر تمام مخلوق بے ہوش ہو کر گر پڑے گی اور موت کی نیند سو جائے گی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾[1]

''جب صور میں (پہلی مرتبہ) پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین کی تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی۔''

جب دوسری مرتبہ صُور میں پھونکا جائے گا تو سب نئے اور پرانے مُردے جی اٹھیں گے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں گے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ پھر قبروں سے نکل کر اپنے رب اور مالک کی طرف چل دیں گے۔

فرمایا:

ا۔﴿ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾[2]

---

[1] الزمر: ۳۹/۶۸

[2] الزمر: ۳۹/۶۸

''پھر جب دوسری مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا تو سب مردے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہو گیا۔''

۲۔﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴾[1]

''جب دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو سب لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف بھاگنے لگیں گے۔''

موت کے بعد دوبارہ زندگی کو لوگوں کے ذہن نشین کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف پیرایۂ بیان اختیار فرمائے ہیں۔شرعی اصطلاح میں موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بعث بعد الموت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔فرمایا:

﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ﴾[2]

''پھر تمھیں قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔''

جب کفار و مشرکین نے دوبارہ جی اٹھنے کو بڑا مشکل اور محال سمجھا تو فرمایا کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں وہ اللہ جو زمین و آسمان کا خالق ہے،جس نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا،دوسری مرتبہ بھی زندگی بخش سکتا ہے۔

﴿ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴾[3]

''اے پیغمبر! کہہ دو کہ جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی ان گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کیں۔کارخانۂ قدرت کے مختلف اجزاء کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ دیکھو! آسمان سے مینہ نہ برسنے کے باعث زمین کس

---

[1] یٰسٓ:۳۶/۵۱

[2] المومنون:۲۳/۱۶

[3] یٰسٓ:۳۶/۷۹

طرح خشک، بے جان اور مردہ ہو جاتی ہے۔ تمام دنیا مایوس نظر آنے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت کے دو چھینٹے بھیج کر زمین کو از سرِ نو زندہ کر دیتا ہے۔ خشک اور بنجر زمین پر پھر سے سرسبز کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ ہری ہری گھاس مخملین فرشِ زمین کی رونق کو دوبالا کر دیتی ہے۔ انسان اور حیوان سب خوش نظر آتے ہیں۔ زمین کی دوبارہ زندگی سے مردوں کے جی اُٹھنے کی طرف انسانی ذہن کو منتقل کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ ﴿ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾[1]

یعنی وہ خدا جو بارانِ رحمت سے پہلے ہوائیں بھیج کر خوش خبری دیتا ہے۔ پھر پانی سے بھرے اور لدے ہوئے بادل مردہ اور خشک زمین کی طرف لے جاتا ہے اور ان بادلوں سے مینہ برسا کر پھل پھول پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح ہم مردوں کو قبروں سے نکال زندہ کر دیں گے، بارش کی یہ مثال تمہارے لیے سامانِ عبرت ہے۔

۲۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾[2]

''وہ ذات جس نے خشک اور مُردہ زمین کو تروتازگی اور زندگی بخشی، یقیناً وہی ذات مُردوں کو ضرور زندہ کر دینے والی ہے۔''

۳۔ ﴿ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾[3]

''وہ خدا جو مینہ برسا کر خشک زمین کو لہلہاتی کھیتی بنا دیتا ہے اور ہر قسم کی روئیدگی اور سبزہ اگاتا ہے وہ یقیناً مُردوں کو دوبارہ زندگی بخشے گا۔''

۴۔ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾[4]

''(قیامت ضرور آنے والی ہے) اور اللہ یقیناً لوگوں کو قبروں سے نکال زندہ

[1] الاعراف:۷/۵۷
[2] حٰمٓ السجدۃ:۴۱/۳۹
[3] الحج:۲۲/۶
[4] الحج:۲۲/۷

کرے گا۔''

۵۔ ﴿ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴾[1]

''جو مُردے ہیں اللہ ان کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

## عالم حشر

قرآن مجید نے اس پر بڑا زور دیا ہے کہ قیامت کے دن سب مُردے دوبارہ زندہ کر دیے جائیں گے۔ پھر انھیں خدا کے حضور میں پیش ہو کر حساب دینا ہوگا۔ اصطلاح میں اس کو یوم الحشر اور یوم الحساب کہتے ہیں۔

حشر کے لفظی معنی جمع اور اکٹھا کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ خدا کے حضور میں حساب دینے کے لیے جمع ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ایک وسیع میدان میں جمع کرے گا۔ اس وقت سب لوگوں پر ایک خوفناک قسم کا ہول طاری ہوگا۔ لوگ اتنے ہراساں اور سراسیمہ ہوں گے کہ عقل و خرد جواب دے جائے گی۔ ایسے معلوم ہوگا کہ لوگ مخمور ہیں مگر درحقیقت یہ نشہ نہیں ہوگا بلکہ ﴿عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴾[2] ''اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔''

خوف و سراسیمگی اور ذہنی پریشانی و جسمانی کوفت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں۔ محشر کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔

﴿ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾[3]

## شفاعت

اس دن کا خوف و ہراس اور خدا کا جلال دیکھ کر عوام تو کجا بڑے بڑے پیغمبر بھی سراسیمہ

---

[1] الانعام:۶/۳۶

[2] الحج:۲۲/۲

[3] السجدۃ:۳۲/۵

نظر آئیں گے۔ ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا ہوگا۔ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے کہ آپ ہم سب کے باپ اور بزرگوار ہیں۔ آپ خدا کے حضور میں سفارش کیجیے کہ عذاب ٹل جائے۔ وہ اپنی عاجزی اور بے بسی کا اظہار کریں گے۔ پھر لوگ باری باری حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے پاس جائیں گے۔ سب انکار کر دیں گے۔ بالآخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کے لیے درخواست کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر بسجود ہو کر خدا کی بارگاہ میں اظہار عجز و نیاز کریں گے۔ آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت مل جائے گی لیکن ایک محدود جماعت کے لیے۔[1]

## یوم الحساب

ایک مسلمان کے لیے یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تمام انسانوں کو اپنے نیک و بد اعمال کا حساب دینا ہے۔ تمام آدمی خدا کے سامنے قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے اور ہر ایک کے اچھے اور برے کاموں کا جائزہ لیا جائے گا۔ نیکوں کو اچھے کاموں کا اجر ملے گا اور وہ بہشت میں چین کی زندگی بسر کریں گے۔ برے آدمیوں کو برائی کی سزا ملے گی۔ مجرموں کو دوزخ آگ میں ڈالا جائے گا۔ فرمایا:

﴿ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا ﴾[2]

''لوگ خدا کے حضور میں قطاروں میں پیش کیے جائیں گے۔''

پھر فرمایا:

﴿ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴾[3]

''پھر ہم ان کا حساب لیں گے۔''

---

[1] صحیح البخاری:٤٧١٢ و صحیح مسلم:١٩٣

[2] الکهف:٤٨/١٨

[3] الغاشية:٢٦/٨٨

﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴾[۱]

''آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور ان سب سے حساب لیں گے اور پوچھیں گے۔''

زندگی کی نعمتوں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔فرمایا:

﴿ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴾[۲]

''پھر اس دن تمہیں نعمتوں کی بابت بھی پوچھا جائے گا۔''

پیغمبروں سے بھی تبلیغ دین کے بارے میں پوچھا جائے گا۔فرمایا:

﴿ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ﴾[۳]

''ہم رسولوں سے بھی تبلیغ دین کی بابت ضرور پوچھیں گے۔''

حساب و کتاب کے دن لوگوں کے منہ پر مُہر لگا دی جائے گی، ان کے ہاتھ پیر اور دوسرے اعضاء گواہی دیں گے۔[۴]

اس دن کسی شخص سے ناانصافی نہ کی جائے گی۔کسی پر ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔[۵] سب لوگوں کے اعمال کو عدل و انصاف کے ترازو میں تولا جائے گا۔فرمایا:

۱۔﴿ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ﴾[۶]

''اس دن ہر عمل حق و انصاف کے ساتھ تولا جائے گا۔''

۲۔﴿ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ﴾[۷]

---

۱۔ الحجر:۱۵/۹۲

۲۔ التکاثر:۱۰۲/۸

۳۔ الاعراف:۷/۶

۴۔ یٰسٓ:۳۶/۶۵ و حمٓ السجدۃ:۴۱/۲۰

۵۔ المؤمن:۴۰/۱۷

۶۔ الاعراف:۷/۸

۷۔ الأنبیاء:۲۱/۴۷

''قیامت کے دن ہم عدل وانصاف کے ترازو لگادیں گے۔ کسی جان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔''

جن لوگوں کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ جنت کی ابدی راحتوں کو حاصل کرکے مزے کی زندگی بسر کریں گے اور جن کی نیکیاں کم ہوئیں اور برائیوں کا پلڑا بھاری ہوا، ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ انھیں دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔[1]

مختصر یہ کہ آخرت پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے ایک مسلمان موت کے بعد قبر کے عذاب وثواب، عالم برزخ، قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے، حشر نشر، حساب کتاب اور جنت ودوزخ کو مانتا اوران پر یقین رکھتا ہے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ابدی آسائشوں اور دوامی راحتوں کے حصول کے لیے احکامِ خداوندی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اس کی رضا جوئی کو زندگی کا نصب العین قرار دے کر دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ مند ہوں۔

[1] المومنون:۲۳/۱۰۲-۱۰۴ و الحاقۃ:۶۹/۱۹-۳۷

باب دوم

# ارکانِ اسلام

عقائد کے بعد عبادات و فرائض کی باری آتی ہے۔ انسان جس عقیدے کا اقرار اور تصدیق کرتا ہے، اس کا اظہار اپنے اعمال اور اعضاء و جوارح سے کرتا ہے۔ یہی اظہارِ اعمال ''عبادت'' کہلاتا ہے۔ اجزائے ایمان یعنی عقائد کا تعلق زبان اور دل سے ہے۔ زبان اقرار کرتی ہے۔ دل تصدیق کرتا ہے۔ عقائد خیالات اور افکار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ عقائد کے بعد عمل شروع ہوتا ہے۔ اسی عمل کا نام عبادت ہے۔ عبادت کا تعلق انسانی جسم اور مال سے ہے۔ ان جسمانی اور مالی عبادات کو ''ارکان اسلام'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ارکانِ اسلام نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق پانچ ہیں۔ حدیث شریف میں ارکانِ اسلام کی ترتیب حسب ذیل ہے:

۱۔ کلمہ طیبہ

۲۔ صلوٰۃ یا نمازِ پنجگانہ

۳۔ زکوٰۃ

۴۔ حج

۵۔ روزہ[1]

---

[1] صحیح البخاری: ۸ و صحیح مسلم: ۱۶

# ۱۔ کلمہ طیبہ

پہلا رکنِ اسلام کلمہ طیبہ ہے۔ ہر مومن کے لیے لازمی ہے کہ وہ اللہ عزوجل کو ایک مانے اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور نبی برحق جانے۔ جب تک زبان اس بات کا اقرار نہ کرے اور دل تصدیق نہ کرے اس وقت تک کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا اور جب تک کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہو، اس کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول نہیں ہوسکتا۔ کسی عمل کا نیک یا صالح ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ بنیادی حقائق کو تسلیم کیا جائے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کرلیا ہے۔ اس اقرار کے بعد دنیا کے تمام معبود باطل ٹھہر جاتے ہیں۔ تمام تعلقاتِ عبودیت صرف خدائے واحد کی ذات سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ ایک مردِ مومن کی تمام امیدیں ایک اللہ سے لگ جاتی ہیں، اس کی تمام آرزوؤں کو بَر لانے والا، مرادوں اور حاجتوں کو پورا کرنے والا وہی اللہ واحد ہوتا ہے۔ لَآ اِلٰـهَ (کوئی معبود نہیں) کہنے کے بعد انسان کا دل و دماغ بالکل خالی اور صاف ہو جاتا ہے۔ اب اس کے خالی ذہن میں کسی معبود کے سمانے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ جب دل و دماغ کی سلیٹ بالکل صاف ہو جائے تو اس پر اللہ لکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ کا نام ایک مردِ مومن کی ساری زندگی پر حاوی و ساری رہتا ہے۔ وہ تمام دنیا سے بے نیاز ہو کر رضائے الٰہی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ مال و دولت کا لالچ، بیوی بچوں کی محبت، بہن بھائیوں کا پیار، حُبِ وطن، ماں باپ کی شفقت، غرض یہ کہ کوئی چیز بھی اسے اللہ کی رضا جوئی سے نہیں روک سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ ہر شے کو بخوشی قربان کرسکتا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی رسالت کے اقرار کا یہ مفہوم ہے کہ آپ ﷺ کا ہر

کام ہمارے لیے حجتِ شرعی ہے۔آپ ﷺ آخری نبی ہیں،آپ ﷺ کے بعد نبوت ختم ہے۔ آپ ﷺ کی اِطاعت اور فرماں برداری میں نجات ہے۔آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنا دین و دنیا کی برکت و سعادت کا موجب ہے۔آپ ﷺ کے حکموں کی خلاف ورزی کرنا بدبختی مول لینا ہے۔آپ ﷺ کے جادۂ مستقیم سے اِدھر اُدھر ہٹنا گمراہی اور بے راہ روی ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ایک حلفِ وفاداری ہے۔اس کے خلاف ہر عمل اور ہر عقیدہ اسلام، خدا اور نبی ﷺ سے غداری، بے وفائی اور بغاوت کے مترادف ہے۔اس اعلان اور حلفِ وفاداری پر دل و جان سے یقین رکھنا اور طاقت و مقدور بھر اس پر عمل کرنا نجات کا باعث ہے۔

## ۲۔نماز

### نماز کی اہمیت

نماز اسلام کا بہت اہم رکن ہے۔قرآن مجید میں اتنی تاکید کسی اور چیز کی نہیں جتنی نماز پنجگانہ کی ادائیگی کی ہے۔انسان گھر میں ہو یا سفر میں، تندرست ہو یا بیمار، امن و چین کی زندگی بسر کر رہا ہو یا میدانِ جنگ میں دشمن سے لڑ رہا ہو، نماز کسی حالت میں نہیں چھوڑی جا سکتی۔اگر کوئی شخص کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے، بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کر اشاروں سے ادا کر لے۔[۱] بہر حال نماز کی ادائیگی ضروری ہے۔نماز پنجگانہ معراج کی رات میں فرض ہوئی تھی۔[۲]

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔[۳] جو شخص نماز پڑھتا ہے، وہ

---

[۱] صحیح البخاری:۱۱۱۷ و سنن أبی داود:۹۵۲

[۲] صحیح البخاری:۳۴۹ و صحیح مسلم:۱۶۲

[۳] شعب الایمان:۲۵۵۰

دین کو قائم رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نماز مسلمان اور کافر کے درمیان فرق ظاہر کرنے والی ہے۔[1] نیز فرمایا کہ جس شخص نے نماز جان بوجھ کر ترک کر دی وہ کافر ہو گیا۔[2]

اِسلامی نظامِ حیات میں نماز کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہے کہ اسلام کے زریں عہد میں امامِ سیاست اور امامِ مسجد ایک ہی شخص ہوتا تھا۔ جو خلیفۂ وقت ہوتا وہی نماز میں امام کے فرائض انجام دیتا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم خود نماز پڑھاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض ادا کر رہے تھے کہ شہید کر دیے گئے۔[3] حضرت علی کرم اللہ وجہہ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لا رہے تھے کہ شہید کر دیے گئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے لیکن نماز خود پڑھاتے تھے۔ حضرت معاویہ شام کے صوبائی حاکم تھے اور مسجد دمشق میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔[4]

## نماز کے فوائد

ایک فریضہ اور عبادت ہونے کے علاوہ نماز کے بے شمار فائدے بھی ہیں۔ نماز تنظیم پیدا کرتی ہے۔ باقاعدگی، ترتیب اور سلیقہ سکھاتی ہے۔ نماز چستی اور ہمت پیدا کرتی ہے۔ نماز سے پابندیٔ اوقات اور ایفائے عہد کی عادت پڑتی ہے۔ نماز کی صفوں کی درستی اور اتحاد دلوں میں درستی اور اتحاد پیدا کرتی ہے اور جنگ کی صفوں کو طاقت بخشتی ہے۔ نمازی ایک صف میں کھڑے ہو کر اپنے آپ کو ایک بڑی برادری کا رکن سمجھتا ہے۔ نماز محبت، ہمدردی اور اُنس پیدا کرتی ہے۔ نماز میں بندہ وآقا اور غلام و مالک کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ نماز مساوات اور اخوت کا سبق دیتی ہے۔ نماز اِطاعتِ امیر کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

[1] سنن ابی داود: ٤٦٧٨ و سنن الترمذی: ٢٦٢٠

[2] سنن الترمذی: ٢٦٢١ و سنن النسائی: ٤٦٣

[3] الطبقات الکبری: ٣/٣٣٩ و المنتظم: ٤/٣٢٩

[4] الطبقات الکبری: ٣/٣٦

نماز کے ذریعے بندے اور خدا میں تعلقات استوار ہوتے ہیں۔نماز مرد مومن کے لیے معراج ہے۔نمازی اپنے رب سے باتیں کرتا ہے۔[1] نماز روح کو پاکیزہ بناتی ہے۔دل میں خوفِ خدا اور غریبوں کی محبت پیدا کرتی ہے۔

نماز اخلاق کو درست کرتی ہے۔نمازی کا جسم پاک رہتا ہے۔نمازی اپنے لباس اور مکان کی صفائی کا خیال رکھتا ہے۔

## شرائطِ نماز

نماز ادا کرنے سے پہلے نمازی کو چند شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ قبلہ رُخ ہونا۔یعنی نمازی کا منہ خانۂ کعبہ کی طرف ہو۔[2] اگر کوئی شخص ایسے مقام پر ہو جہاں قبلہ کی سمت معلوم نہ ہوسکے تو پھر اندازے اور قیافے سے جس طرف دل گواہی دے منہ کرکے نماز پڑھ لے۔[3]

۲۔ نماز کا وقت پہچان کر اوّل وقت پر ادا کرنا۔[4]

۳۔ ستر چھپانا، یعنی مرد کا جسم ناف سے لے کر گھٹنوں تک ڈھکا ہوا ہو۔عورت کے ہاتھ پاؤں اور چہرے کے سوا باقی سارا جسم ڈھکا رہنا چاہیے۔[5]

۴۔ نمازی کے کپڑوں کا، بدن کا اور جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔[6]

۵۔ باوضو ہونا بھی ضروری ہے۔[7]

---

۱۔ صحیح البخاری:٤٠٥ و صحیح مسلم:٥٥١

۲۔ البقرۃ:٢/١٤٤، ١٤٩

۳۔ سنن الترمذی:٣٤٥

۴۔ سنن الترمذی:١٧٠

۵۔ سنن الترمذی:٣٣٧ و سنن أبی داود:٦٤١ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں:حجاب المرأۃ فی الصلاۃ لابن تیمیۃ

۶۔ المدثر:٧٤/٤، ٥

۷۔ صحیح البخاری:١٣٥ و صحیح مسلم:٢٢٤

## رکعاتِ نمازِ پنجگانہ

ذیل میں پنجگانہ نمازوں کے نام اور تعداد رکعات درج کی جاتی ہے:

۱۔ صلوٰۃُ الفَجر — یعنی فجر کی نماز، اس میں ۲ سنتیں اور ۲ فرض پڑھے جاتے ہیں۔

۲۔ صلوٰۃُ الظُّهر — یعنی ظہر کی نماز، اس میں ۴ سنتیں، ۴ فرض، ۲ سنتیں ہیں۔

۳۔ صلوٰۃُ العَصر — یعنی عصر کی نماز، اس میں ۴ سنتیں اور ۴ فرض ہوتے ہیں۔ بعض کے نزدیک فرض سے پہلے ۴ سنتوں کی بجائے ۲ سنتیں پڑھنا بھی جائز ہے۔ اگر عصر کے سنتیں بالکل نہ پڑھیں تو بھی کوئی گناہ نہیں۔

۴۔ صلوٰۃُ المَغرِب یعنی مغرب کی نماز، اس میں ۳ فرض، ۲ سنتیں ہیں۔

۵۔ صلوٰۃُ العِشَاء — یعنی عِشاء کی نماز، اس میں ۴ سنتیں، ۴ فرض، ۲ سنتیں، اور ۳ وِتر ہیں۔

ظہر، عصر اور عشا کی شروع والی سنتیں چار بھی جائز ہیں اور صرف دو بھی۔ احناف کے نزدیک ظہر، مغرب اور عشاء کی نماز کے آخر میں دو، دو نفل بھی پڑھنے چاہئیں۔

نفل پڑھیں تو ثواب ہے اور نہ پڑھیں تو کوئی عذاب اور گناہ نہیں ہے۔

''فرض'' جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھنے کا حکم ہے۔[1]

## وضو

حضرت رسولِ مقبول ﷺ ہر نماز کے لیے اکثر نیا وضو کرتے اور کبھی ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھ لیتے تھے۔[2]

---

[1] صحيح مسلم: ٦٥٣ و سنن أبي داود: ٥٥٢

[2] صحيح البخاري: ٢١٤ و سنن الترمذي: ٥٨ و سنن النسائي: ١٣٣

وضو کرتے وقت زیادہ پانی خرچ کرنے سے آپ ﷺ منع فرمایا کرتے تھے۔[1]

آپ ﷺ ہر عضو کو کبھی تین تین بار دھوتے،[2] کبھی دو دو بار[3] اور کبھی ایک ہی بار۔[4]

آپ ﷺ ہمیشہ مسلسل اور ترتیب سے وضو کرتے تھے۔[5]

وضو کرنے کے لیے صاف ستھری اور پاک جگہ پر بیٹھنا چاہیے۔

وضو کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ لو۔[6] اور جب ختم کر و تو کلمۂ شہادت (أَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) پڑھو۔[7]

پہلے دونوں ہاتھ پہنچوں تک دھولو۔ پھر دائیں ہاتھ سے منہ میں پانی ڈال کر کلی کرو اور انگلی یا مسواک سے دانت صاف کرلو۔ پھر دائیں ہاتھ سے ناک میں پانی ڈال کر اسے بائیں ہاتھ سے صاف کرو۔ پھر مُنہ پر پانی ڈال کر پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں کانوں تک دھولو۔ پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھونے کے لیے پہلے دائیں کہنی پر پانی ڈالو پھر بائیں پر۔ پھر سر کا مسح کرنے کے لیے دونوں ہاتھ پانی سے تر کرکے سر پر اور کانوں کے اندر باہر پھیر دو۔ پھر دونوں پاؤں، پہلے دایاں پھر بایاں ٹخنوں سمیت دھوڈالو۔[8]

جہاں پانی نہ ملے یا پانی کے استعمال سے بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت ہے۔ ہر پاک جگہ پر ہاتھ مار کر تیمم کرسکتے ہیں۔[9]

---

[1] سنن ابن ماجه: ٤٢٥

[2] صحيح البخاري: ١٥٩ و سنن الترمذي: ٤٥

[3] صحيح البخاري: ١٥٨ و سنن أبي داود: ١٣٦

[4] صحيح البخاري: ١٥٧ و سنن الترمذي: ٤٢

[5] المائدة: ٥/٦ و صحيح البخاري: ١٨٥ و صحيح مسلم: ٢٣٥

[6] سنن أبي داود: ١٠١ و سنن الترمذي: ٢٥

[7] سنن الترمذي: ٥٥ و سنن النسائي: ١٤٨

[8] صحيح البخاري: ١٨٥ و صحيح مسلم: ٢٣٥

[9] النساء: ٤/٤٣

حضرت نبی کریم ﷺ دونوں ہاتھ پاک مٹی پر مارتے پھر ان میں پھونک مار کر چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیر لیتے تھے۔[1] وضو اور غسل دونوں کے لیے تیمم کی اجازت ہے۔[2]

## اَذان

نماز سے پہلے جس خاص صدا کے ذریعے لوگوں کو بلایا جاتا ہے اُسے اَذان کہتے ہیں۔ اذان کہنے والے کو مؤذن کہا جاتا ہے۔ مؤذن بلند آواز سے یہ الفاظ پکارتا ہے۔

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے،

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت ﷺ اللہ کے رسول ہیں

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ

آؤ نماز کے لیے

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ

آؤ نماز کے لیے

---

[1] صحیح البخاری: ٣٣٨، ٣٤٧ و صحیح مسلم: ٣٦٨

[2] النساء: ٤/٤٣ و صحیح البخاری: ٣٣٨

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

آؤ کامیابی کی طرف

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

آؤ کامیابی کی طرف

اَللّٰہُ أَکْبَرُ اَللّٰہُ أَکْبَرُ

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے

لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰہُ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں [۱]

## اذان کے بعد کی دعا

بہتر یہ ہے کہ سننے والے اذان کے الفاظ دُہراتے جائیں، جب اذان ختم ہو جائے تو حضرت رسول خدا ﷺ پر درود بھیجیں۔[۲] درود کے بعد یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ! اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ، إِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔[۳]

”اے اللہ جو اِس دعوتِ تامہ اور نماز قائمہ کا رب و مالک ہے! حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت بخش اور اُس مقامِ محمود میں انھیں اٹھا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔“

پھر اپنے حق میں دعا مانگیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اذان اور اِقامت کے

---

[۱] صحیح مسلم: ۳۸۵،۳۷۹ و سنن أبی داود: ۴۹۹

[۲] صحیح مسلم: ۳۸٤ و سنن الترمذی: ٣٦١٤

[۳] صحیح البخاری: ٦١٤ و السنن الکبری للبیھقی: ۱۹۳۳

درمیان دعارد نہیں ہوتی۔[1]

## اِقامت

اِقامت میں اذان کے الفاظ ہی دہرائے جاتے ہیں، البتہ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ (نماز کھڑی ہوگئی ہے) دومرتبہ کہا جاتا ہے۔[2]

## اَحکامِ نماز

جب نماز پڑھنے لگو تو وضو کر کے قبلہ رُخ کھڑے ہو جاؤ اور اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک (یا کندھوں تک) اس طرح اٹھاؤ کہ انگلیاں پھیلی رہیں۔ پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر نماز شروع کر دو۔[3]

## ثناء

ہاتھ باندھ لینے کے بعد یہ کلماتِ ثناء پڑھو:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ[4]

"اے اللہ! تو پاک ہے، تو ہی تعریف کے لائق ہے، تیرا نام برکت والا ہے، تیری شان بلند ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

ثناء کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھو۔ اس کے بعد کوئی سورت پڑھ لو۔[5] پھر اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر رکوع میں کم از کم تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ (پاک ہے میرا رب بزرگی والا) پڑھو۔

---

1. سنن أبي داود:٥٢١ و سنن الترمذي:٢١٢
2. صحيح البخاري:٦٠٧ و سنن أبي داود:٤٩٩
3. صحيح البخاري:٦٢٥١، ٧٣٥ و صحيح مسلم:٣٩٠
4. صحيح مسلم:٣٩٩ و سنن أبي داود:٧٧٦ و سنن الترمذي:٢٤٢
5. صحيح البخاري:٧٧٨ و الصحيح لا بن حبان:١٧٨٧

رکوع کی صورت یہ ہے کہ ہاتھوں کے دونوں پنجے گھٹنوں پر اس طرح رکھو گویا انھیں پکڑے ہیں۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھو۔ پیٹھ بالکل سیدھی رہے اور سر پیٹھ کی سیدھ میں رہنا چاہیے۔

اُس کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ (جس شخص نے اللہ کی تعریف کی، اللہ نے سن لی) کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو کر یہ کہو رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (حَمْدًا کَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ) (اے ہمارے رب! سب تعریف تیرے لیے ہے (تعریف بہت زیادہ، پاکیزہ جس میں برکت کی گئی ہے))۔ پھر اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر سجدہ کرو۔[1]

سجدہ کا طریقہ یہ ہے کہ زمین پر (پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھو[2] اور یہ بھی ہے کہ) پہلے گھٹنے رکھو پھر ہاتھ[3] پھر پیشانی اور ناک پوری طرح زمین پر رکھو۔[4] ہاتھ پہلوؤں سے الگ رہیں[5] اور پنجے شانوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوں۔[6] سجدے میں ہاتھ زمین پر ہوں اور کہنیاں اٹھائے رکھو۔[7] دونوں پیروں کی انگلیوں کے سرے قبلے کی طرف ہوں،[8] ہاتھوں کی انگلیاں بند اور کھلی دونوں طرح رکھنے کے متعلق روایات موجود ہیں۔

پھر یہ پڑھو: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى (پاک ہے میرا پروردگار اور سب سے اعلیٰ ہے)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سجدے میں بڑی عاجزی سے دعا کیا کرو۔[9]

---

1. صحیح البخاری: ۷۹۹، صحیح مسلم: ۷۷۲ و سنن أبی داود: ۸۷۰، ۸۵۵ و سنن الترمذی: ۲۶۰، نسائی: ۱۰۶۲
2. سنن أبی داود: ۸۴۰
3. سنن أبی داود: ۸۳۸
4. صحیح البخاری: ۸۱۲ و صحیح مسلم: ۴۹۰
5. صحیح البخاری: ۸۰۷
6. سنن النسائی: ۸۸۹
7. صحیح البخاری: ۸۰۷ و صحیح مسلم: ۴۹۸
8. صحیح البخاری: ۸۲۸
9. صحیح مسلم: ۴۷۹

تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کہہ کر سجدے سے اٹھو۔ پھر بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ اور دایاں پاؤں کھڑا رکھو۔ ہاتھوں کے نیچے گھٹنوں پر رہیں اور کہنیاں رانوں کے ساتھ لگائیں[1]

پھر اسی طرح (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کہہ کر دوسرا سجدہ کرو۔

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھتے جتنی دیر سجدے میں لگتی تھی۔[2] سجدے سے تکبیر کہہ کر اٹھو۔

یہ پہلی رکعت ختم ہوئی۔

اسی طرح دوسری رکعت بھی ادا کرو۔ دوسری رکعت کے بعد بیٹھ کر تشہّد پڑھو۔

## تشہّد

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.[3]

''قولی، بدنی اور مالی ساری عبادتیں اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں بھی۔ سلامتی ہو ہمارے لیے اور اللہ کے سب نیک بندوں کے لیے۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ خدا کے بندے اور رسول ہیں۔''

## درود شریف

تشہد کے بعد درود شریف پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ

[1] صحيح البخاری: ۸۲۸ و سنن أبی داود: ۷۳٤

[2] صحيح البخاری: ۷۹۲ و صحيح مسلم: ٤۷۱

[3] صحيح البخاری: ۸۳۱ و صحيح مسلم: ٤۰۲

وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔[1]

اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر اور ان کی آل اولاد پر درود اور رحمت بھیج۔ جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل اولاد پر رحمت بھیجی۔ بے شک تو تعریف اور بزرگی کا مالک ہے۔ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل اولاد پر برکت نازل کر جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل اولاد پر برکت بھیجی۔ بے شک تو تعریف اور بزرگی کا مالک ہے۔

## دعا

درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ فِتْنَةِ الْمَمَاةِ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔[2]

اے اللہ! مجھے عذاب قبر سے بچالے اور مسیح دجال کے فتنے سے بچالے اور زندگی اور موت کی آزمائشوں اور فتنوں سے بچالے۔ اے اللہ! مجھے گناہ اور قرض سے بچالے۔

اَللّٰهُمَّ! إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔[3]

---

[1] صحيح البخاري: ٣٣٧٠

[2] صحيح البخاري: ٨٣٢ و صحيح مسلم: ٥٨٩

[3] صحيح البخاري: ٨٣٤ و صحيح مسلم: ٢٧٠٥

اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا ہے اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔ تو اپنی طرف سے میرے گناہ معاف فرما دے اور مجھ پر رحم کر، بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر سر کو دائیں جانب اور بائیں جانب موڑ کر یہ کہتے ہوئے سلام پھیرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ [۱]

"تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت نازل ہو۔"

اگر چار رکعات پڑھنی ہوں تو دو رکعت کے بعد تشہد پڑھ کر پھر کھڑے ہو جاؤ اور چار رکعتیں پوری کر کے پھر تشہد، درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیرو۔

ایسی نماز پڑھو کہ دل کو راحت نصیب ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کی دلی مسرت نماز میں تھی۔[۲]

نماز باجماعت کی بڑی تاکید آئی ہے۔[۳] جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنا بڑا گناہ ہے۔

نماز بڑے سکون، وقار، ادب واحترام، عجز وانکسار اور اطمینانِ قلب کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔

## نماز کے بعد کی دعا

آنحضرت ﷺ فرض پڑھنے کے بعد ایک بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ، تین مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کہتے[۴] پھر یہ پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ! اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔[۵]

---

۱ صحيح مسلم:٤٣١ و سنن أبي داود:٩٩٦

۲ سنن أبي داود:٤٩٨٥

۳ صحيح البخاري:٦٤٤ و صحيح مسلم:٦٥٣

۴ صحيح مسلم:٥٩١،٥٨٣ و سنن النسائي:١٣٣٧

۵ صحيح مسلم:٥٩١ و سنن الترمذي:٣٠٠

’’اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے۔ اے ہمارے رب! تو برکت والا ہے۔ اے بزرگی اور سخاوت وعزت کے مالک! تو بلند ہے۔‘‘

رَبِّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ،[1] لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ! لَامَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَامُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.[2]

’’اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تیرا ذکر و شکر اور اچھی عبادت کروں، اے اللہ! جو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو نہ دے وہ کوئی نہیں دے سکتا اور نہ دولتمند کی دولت اس کو تجھ سے کوئی نفع دے سکتی ہے۔‘‘

فرضوں کے بعد ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۴ مرتبہ اَللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھنا سنت ہے۔[3]

وتروں کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں۔[4] اگر نماز کے دوران میں بھول چوک ہو جائے تو سجدہ سہو کرنا چاہیے۔[5]

سفر کی حالت میں نماز قصر کی جاسکتی ہے۔[6]

## نمازِ جمعہ

جمعہ کے دن نماز ظہر کے وقت نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ البتہ چار فرضوں کی بجائے دو

---

[1] سنن النسائی:۱۳۰۳

[2] صحیح البخاری:۸٤٤ و صحیح مسلم:۵۹۳

[3] صحیح مسلم:۵۹٦

[4] سنن أبی داود:۱٤۲۵ و سنن الترمذی:٤٦٤

[5] صحیح البخاری:۱۲۲۲، ۱۲۲٤ و صحیح مسلم:۵۷۰

[6] النساء:٤/۱۰۱ و صحیح مسلم:٦۸٦

فرض جماعت سے پڑھے جاتے ہیں۔[1] نماز جمعہ ہر (بالغ مرد) مسلمان پر فرض ہے۔[2] نماز سے پہلے امام خطبہ دیتا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ خطبہ جمعہ میں سراسر وہی باتیں کہتے جن کی حاضرین کو ضرورت ہوتی۔ خطبۂ جمعہ کے دوران میں نمازیوں کو ہدایت بھی فرماتے تھے۔

خطبۂ جمعہ کے دوران میں بولنا اور شور مچانا منع ہے۔[3]

جمعہ کی نماز کے لیے ایک اذان کی بجائے دو اذانیں ہوتی ہیں۔[4]

اسلام تو ویسے بھی صفائی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن جمعہ کے دن نہانے، اچھا لباس پہننے اور خوشبو لگانے کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے۔[5]

## نماز عیدین

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازیں نبی کریم ﷺ اس عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے جو مدینہ منورہ کے مشرقی دروازے پر واقع ہے۔ ان دونوں عیدوں پر آپ ﷺ بہتر سے بہتر لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔[6]

عیدالفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے آنحضرت ﷺ کھجور کے چند دانے تناول فرما لیتے۔[7] عیدالفطر کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہے۔[8]

---

1. سنن النسائی: ۱٤۲۰ و سنن ابن ماجه: ۱۰٦۳
2. سنن أبی داود: ۱۰٦۷
3. صحیح البخاری: ۹۳٤ و صحیح مسلم: ۸۵۱، ۸۵۷
4. صحیح البخاری: ۹۱٦
5. صحیح البخاری: ۸۵۸، ۸۸۰، ۸۸٤ و صحیح مسلم: ۸٤٦، ۸٤۸
6. ابن خزیمة، الصحیح: ۱۷٦٦ و ابن القیم، زادالمعاد: ۱/٤۲۵
7. صحیح البخاری: ۹۵۳
8. صحیح البخاری: ۱۵۰۳

عیدالاضحیٰ میں جانے سے پہلے آپ ﷺ کچھ نہ کھاتے بلکہ واپسی پر اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ تناول فرماتے تھے۔[۱]

عیدین کی نمازوں کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔[۲]

عید کی نماز میں دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔[۳]

نماز کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے۔[۴]

گھر سے عیدگاہ کو جاتے اور واپس آتے وقت مختلف راستے اختیار کرنا سنت ہے۔[۵]

عیدین کے موقع پر تکبیریں پڑھنا سنت صحابہ ہے:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ۔[۶]

عیدگاہ میں جانے سے پہلے مسواک سے دانت صاف کرنا، نہانا، اچھا لباس پہننا اور خوشبو لگانا انتہائی اہم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ رات کو اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔[۷]

ماہِ رمضان میں عشاء کی نماز کے ساتھ نماز تراویح پڑھی جاتی ہے۔[۸]

---

۱ السنن الکبریٰ: ٦١٦١ و مسند أحمد: ٢٢٩٨٤

۲ سنن أبي داود: ١١٤٨

۳ سنن النسائي: ١٥٦٦

۴ صحيح البخاري: ٩٦٢ و صحيح مسلم: ٨٨٨

۵ صحيح البخاري: ٩٨٦ و سنن أبي داود: ١١٥٦

۶ ابن أبي شيبه، المصنف: ٥٦٥٠ و المعجم الكبير: ٩٥٣٨

۷ صحيح البخاري: ١١٢٠، ١١٤٧ و صحيح مسلم: ٧٣٦

۸ صحيح البخاري: ٢٠١٠، ٢٠١٣ و صحيح مسلم: ٧٣٨، ٢٦١

# ۳۔ زکوٰۃ

## فرضیت

۸ھ میں فتح مکہ کے بعد زکوٰۃ ہر مال دار مسلمان پر فرض ہوئی۔ قرآن مجید میں نماز کے حکم کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ جہاں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فرمایا ہے وہاں وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا حکم بھی آیا ہے۔[1] زکوٰۃ اتنا اہم رُکن اور ضروری فریضہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف لشکر کشی کر کے ان سے جہاد کیا۔[2]

## تناسب

سونے چاندی میں، تجارت کے مال میں، نقد روپے میں، بنک میں جمع کیے ہوئے روپے پیسے میں اور مویشیوں میں سالانہ ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ سب چیزوں کی زکوٰۃ برابر نہیں۔ محنت و مشقت کی مقدار کے مطابق زکوٰۃ کا تناسب مقرر ہے۔ جو دولت بغیر محنت کے کسی دفینے یا خزانے کی صورت میں ہاتھ آ جائے۔ اس میں زکوٰۃ پانچواں حصہ ۱/۵ ہے۔[3] جس باغ یا کھیتی میں آبپاشی کی ضرورت نہ ہو اس کا دسواں حصہ ۱/۱۰ ہے۔ جو کھیتی اور باغ آبپاشی کا محتاج ہو اس میں بیسواں حصہ ۱/۲۰ ہے۔[4] ایسا مال (جو محفوظ ہو یا) جس کی ترقی کے لیے مسلسل اور لگاتار محنت کرنی پڑے، اس میں چالیسواں حصہ ۱/۴۰ ہے۔

---

[1] البقرۃ:۲/۴۳ و النساء:۴/۷۷ و الحج:۲۲/۷۸و النور:۲۴/۵۶

[2] صحیح البخاری:۱۴۰۰، ۶۹۲۵ و صحیح مسلم:۲۰

[3] صحیح البخاری:۱۴۹۹ و صحیح مسلم:۱۷۱۰

[4] صحیح البخاری:۱۴۸۳ و سنن أبی داود:۱۵۹۶

## نِصاب

ہر مال کا ایک نصاب (یعنی مقدار و اندازہ) مقرر کر دیا گیا ہے جس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے ۷ تولے (۲۰ مثقال) سونا ہو تو زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے ۵۲ تولے (دو سو درہم) چاندی ہو تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ بھیڑ بکری کی تعداد چالیس، گائے کی تعداد تیس، اونٹ کی تعداد پانچ ہو تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔[1]

سونے چاندی کی مالیت کا چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصدی زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ اس مال پر فرض ہے جو کسی شخص کی حاجتوں اور ضرورتوں سے بچ رہا ہو اور اس بچت پر ایک سال گزر چکا ہو۔[2]

## مصارفِ زکوٰۃ

قرآن مجید کی رُو سے آٹھ قسم کے لوگ مالِ زکوٰۃ کے مستحق ہیں:

۱۔ فقیر
۲۔ مسکین
۳۔ زکوٰۃ جمع کرنے والے
۴۔ نومسلم جن کی دلداری اور پاسِ خاطر مقصود ہو
۵۔ غلام
۶۔ مقروض
۷۔ مجاہدین فی سبیل اللہ
۸۔ مسافر[3]

---

[1] صحیح البخاری: ۱۴۰۵، ۱۴۴۷، ۱۴۵۴ و صحیح مسلم: ۹۷۹ و سنن الترمذی: ۶۲۳

[2] سنن أبی داود: ۱۵۷۳ و سنن الترمذی: ۶۳۱

[3] التوبۃ: ۹/۶۰

سنت نبوی ﷺ یہ تھی کہ ہر جگہ کی زکوٰۃ وہیں کے مستحق لوگوں میں تقسیم کردی جاتی۔ اگر کچھ بچ رہتی تو دوسری جگہ بانٹ دیتے۔[1]

اولادِ رسول ﷺ، بنی ہاشم، مال دار اور کمانے کی صلاحیت رکھنے والے کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔[2]

بہتر صورت تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت یا امیر کے ذریعے زکوٰۃ کا مال یکجا جمع کیا جائے۔ لیکن جب ایسا کوئی انتظام نہ ہو تو ہر مسلمان الگ الگ مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

### فوائد زکوٰۃ

دنیا کے ہر مذہب نے غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اسلام ایک عالم گیر مذہب کی حیثیت میں ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کا ایک ذریعہ زکوٰۃ ہے۔ غریبوں اور مسکینوں کی امداد کے لیے زکوٰۃ ایک عملی اقدام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ دولت مندوں سے لے کر غریبوں اور حاجت مندوں کو دی جائے۔[3]

زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کا جذبہ بخل و کنجوسی ختم ہو جاتا ہے۔ مال کی محبت، لالچ اور تنگ دلی دور ہو جاتی ہے۔ انسان کے دل میں ہمدردی اور رحم دلی پیدا ہوتی ہے۔ غریبوں اور محتاجوں کی ضروریات کا احساس ابھرتا ہے۔ قومی اور اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ راہِ خدا میں خرچ کر کے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

[1] صحیح البخاری:۶۳، ۱۳۹۵ و صحیح مسلم:۱۹ و فتح الباری، قبل الحدیث:۱٤۹٦ و عمدۃ القاری:۹/۵

[2] صحیح البخاری:۱٤۸۵ و صحیح مسلم:۱۰۷۲ و مسند أحمد:۱۷۵۱۸ و شرح مسلم للنووی، تحت الحدیث:۱۰۷۲

[3] صحیح البخاری:٤۳٤۷ و صحیح مسلم:۱۹

# ۴۔ حج بیت اللہ

اسلام کا چوتھا رکن حج بیت اللہ ہے۔ حج کا مطلب یہ ہے کہ ماہ ذوالحجہ کی مقررہ تاریخوں میں خانہ کعبہ کی زیارت، طواف، قیامِ عرفات اور دیگر مذہبی عبادات و رسوم کو ادا کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتایا ہے کہ خانہ کعبہ خدا کا وہ پہلا گھر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں خدائے واحد کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو برکت والا ٹھہرایا ہے اور دنیا جہان کے لیے مرکز ہدایت قرار دیا۔ بیت اللہ میں اللہ کی آیات بَیِّنَات (کھلی نشانیاں) ہیں اور مقام ابراہیم ہے[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لے کر حجاز کی طرف ہجرت کی اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اس جگہ آباد کیا جہاں اب مکہ ہے۔ ان کو یہاں آباد کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار کے حضور میں دعا کی کہ اے اللہ! میں نے ان لوگوں کو ایسی جگہ آباد کیا ہے جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ اے اللہ! تو لوگوں کے دل اس طرف مائل کردے اور اس گھر کو امن و سلامتی کی جگہ بنادے۔[2] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور بیت اللہ کو لوگوں کی ہدایت کا مرکز بنا دیا۔ قبائلِ عرب بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے لیے آنے لگے۔ مکہ کے آس پاس کی زمین کو بھی پاک اور حرمت والی ٹھہرایا اور اس کا نام "حرمِ مکہ" مشہور ہوا۔

جاہلیت کے زمانے میں جزیرۃ العرب کے سارے قبیلے حج کے موسم میں کعبہ کی زیارت اور طواف کے لیے حاضر ہوتے، حجرِ اسود کو بوسہ دیتے اور جانوروں کی قربانی کرتے تھے۔

---

[1] آل عمران: ۳/ ۹۶، ۹۷

[2] ابراھیم: ۱۴/ ۳۷

پھر ایک ایسا دور آیا کہ قبائلِ عرب بُت پوجنے لگے۔ خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے گئے۔ بالآخر حضرت رسول مقبول ﷺ نے ۸ھ میں فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔[1]

## حج کی فرضیت

۹ھ میں حج فرض ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ بھیجا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ آپ یہ اعلان کر دیں کہ آئندہ کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔[2]

۱۰ھ میں حضرت رسول خدا ﷺ نے فرضیت کے بعد پہلا اور آخری حج کیا اور اسی حج کے موقع پر یادگار خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔[3]

قرآن مجید نے حج کی فرضیت کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

﴿ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾[4]

''جن لوگوں کو وہاں تک پہنچنے کا مقدور ہو ان پر فرض ہے کہ وہ خدا کے لیے خانہ کعبہ کا حج کریں اور جو کوئی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے تو اس نے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے کفر کیا۔ اللہ کو اس کی کیا پرواہ ہے۔ اللہ تو دنیا جہان سے بے نیاز ہے۔''

## حج نہ کرنے والوں کو تنبیہ

قرآن مجید نے استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔[5] حضرت

---

[1] صحيح البخاري:٢٤٧٨ و صحيح مسلم:١٧٨١

[2] صحيح البخاري:١٣٤٧ و سنن الترمذي:٨٧١، ٣٠٩٢

[3] صحيح البخاري:٤٣٩٥ و صحيح مسلم:١٢١١

[4] آل عمران:٣/٩٧

[5] آل عمران:٣/٩٧

رسول کریم ﷺ نے صاحبِ استطاعت لوگوں کو حج کی بڑی تاکید فرمائی اور حج نہ کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''جس شخص کو نہ تو کسی خاص ضرورت نے حج سے روکا، نہ کسی ظالم بادشاہ نے، نہ کوئی مرض مانع ہوا اور پھر بھی اس نے حج نہ کیا اور اسی حالت میں مرگیا تو پھر اس کی مرضی ہے کہ خواہ یہودی مرے یا عیسائی مرے۔''[1]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا: ''میرا جی چاہتا ہے کہ ان لوگوں پر جزیہ لگادوں وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔''[2]

## حج کے آداب ومناسک

### اِحرام

جو شخص حج کے ارادے سے نکلتا ہے ''میقات'' پر پہنچ کر اِحرام باندھتا ہے۔

یعنی دو اَن سِلی چادریں، ایک تہ بند کے طور پر نیچے باندھ لیتا ہے اور دوسری کندھوں پر ڈال لیتا ہے۔ سب امیر وغریب، بندہ وآقا محتاج وغنی اور شاہ وگدا یہی لباس پہنے خدا کے حضور میں پہنچتے ہیں۔

اِحرام باندھ لینے کے بعد گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، کھیل کود، شکار کھیلنے، بال کٹوانے اور میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کی اجازت نہیں ہوتی۔[3]

جب لوگ اِحرام باندھے حرمِ مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو بارگاہِ خداوندی میں اپنی حاضری کا اعلان باآواز بلند یوں کرتے ہیں:

---

[1] البیهقی، السنن الکبری: ۸٦٦۰ و ابن أبی شیبة، المصنف: ۱٤٤٥۰

[2] القرطبی، التفسیر، آل عمران، تحت الآیة: ۹۷

[3] البقرة: ۲/۱۹۷ و المائدة: ٥/۹٤، ۹٥ و صحیح مسلم: ۱۱۹۳

لَبَّیْکَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ۔[1]

''میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے لیے ہیں اور حکومت بھی تیری ہے۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں۔''

اس اعلانِ حاضری کو اصطلاح میں ''تلبیہ'' کہتے ہیں۔

## طواف

خانہ کعبہ کے گرد چکر کاٹنا اور گھومنا طواف کہلاتا ہے۔ ہر حاجی کو سات چکر لگانے ہوتے ہیں۔ طواف کے دوران میں تکبیریں پڑھتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔[2]

طواف کے دوران میں جب حجر اسود کے سامنے آتے ہیں تو اسے بوسہ دیتے یا چھوتے یا اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر آگے گزر جاتے ہیں۔[3] حضرت نبی کریم ﷺ نے رکن یمانی کو بھی چھوا تھا۔[4]

''حجر اسود'' کعبہ کی ایک دیوار میں بڑے قدیم زمانے سے لگا ہوا ہے۔ یہ پتھر ایک پرانی یادگار چلا آتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور صلحائے امت نے اسے بوسہ دیا اور چھوا ہے۔ حاجی لوگ بھی اسے چھوتے اور بوسہ دیتے ہیں۔ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومتے ہوئے فرمایا:

''اے حجر اسود! میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ تو کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ میں تجھے صرف اس لیے بوسہ دیتا ہوں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو تجھے

[1] صحیح البخاری:۱۵٤۹، ۵۹۱۵ و صحیح مسلم:۱۱۸٤

[2] الحج:۲۲/۲۹ و صحیح البخاری:۱۶۰۳ و سنن ابن ماجہ:۲۹۵۷

[3] صحیح البخاری:۱۶۱۱-۱۶۱۳ و صحیح مسلم:۱۲۷۳-۱۶۷۵

[4] صحیح مسلم:۱۲۱۸ و مسند أحمد:۱٤٤٤۰

بوسہ دیتے دیکھا تھا۔''[۱]

طوافِ کعبہ سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ﴾[۲] ''مقام ابراہیم علیہ السلام میں نماز پڑھو۔''

## سَعْی

دوڑنے کو عربی میں سَعْی کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے نزدیک صَفا اور مَروہ دو پہاڑیاں ہیں۔ حاجی لوگ ان پہاڑیوں کے درمیان سات بار آہستہ آہستہ دوڑتے ہیں۔[۳]

یہ سَعْی یا دوڑ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی یادگار ہے جب وہ پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں پر دوڑیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زمزم کا چشمہ عطا کیا۔[۴]

## رَمْی

کنکر پھینکنے اور پتھر مارنے کو رَمْی کہتے ہیں۔ حاجی لوگ مِنٰی میں پہنچ کر تین ٹیلوں پر کنکریاں پھینکتے ہیں۔ ان تین ٹیلوں کو جَمرات کہتے ہیں۔[۵]

مِنٰی میں کنکریاں پھینکنے کے بعد قربانی کی جاتی ہے۔[۶]

## طریقۂ حج

حج کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے:

۷ ذوالحجہ کو ظہر کے بعد امام مسجد حرام میں خطبہ دیتا ہے اور حج کے مسائل بیان کرتا ہے۔

---

۱ صحيح البخاري: ۱۵۹۷ و صحيح مسلم: ۱۲۷۰

۲ البقرة: ۲/ ۱۲۵

۳ البقرة: ۲/ ۱۵۸ و صحيح البخاري: ۱٦٤٥ و صحيح مسلم: ۱۲۲۷

۴ صحيح البخاري: ۳۳٦٤

۵ صحيح البخاري: ۱۷۵۲ و صحيح مسلم: ۱۲۹٦

۶ صحيح مسلم: ۱۲۱۸ و سنن ابن ماجه: ۳۰۷٤

یہ خطبہ سنت نبوی ہے اور اس کا سننا مستحب ہے۔

۸ ذوالحجہ کو حاجی لوگ میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ عرفات کا میدان مکے سے جانبِ مشرق دس گیارہ میل دور ہے۔ رات کو منیٰ میں ٹھیرتے ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد میدان عرفات میں پہنچتے ہیں، یہاں ظہر و عصر کی نمازیں ادا کر کے جبلِ رحمت پر کھڑے ہو کر دعائیں مانگتے ہیں۔ غروبِ آفتاب کے بعد مزدلفہ واپس آتے ہیں۔ مغرب و عشاء کی نمازیں ادا کر کے رات یہیں گزارتے ہیں۔ مزدلفہ عرفات اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔

۱۰ ذوالحجہ صبح کی نماز کے بعد دعاؤں اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ طلوعِ آفتاب کے قریب مزدلفہ سے منیٰ کو واپس آتے ہیں۔ کنکریاں مارتے ہیں۔ پھر جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ یہ قربانی سنتِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔

قربانی سے فارغ ہو کر احرام اتار دیتے ہیں اور سر کے بال منڈاتے یا کٹاتے ہیں۔

اس کے بعد بیت اللہ میں آ کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ طواف کا وقت دسویں ذوالحجہ کی صبح سے لے کر بارھویں تاریخ تک ہے۔ طواف حج کا آخری رکن ہے۔ طواف سے فارغ ہو کر دو تین دن کے لیے پھر منیٰ جاتے ہیں اور منیٰ کے جمرات پر کنکریاں پھینکتے اور ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ پھر واپسی پر بیت اللہ میں آ کر خانہ کعبہ کا طواف الوداع کر کے رخصت ہوتے ہیں۔

## فوائد و فلسفۂ حج

حج ایک اہم دینی فریضہ اور رکنِ اسلام ہے۔ اس کی ادائیگی سے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حج کے بہت سے فوائد ہیں جن کا تعلق ہمارے اخلاق، ہماری سیاست، معاشرت اور ملت سے ہے۔

حج اسلام کی بین الاقوامی اخوت اور عالمگیر اسلامی برادری کا ایک بہت بڑا مظاہرہ ہے۔ دنیائے اسلام کے مسلمان ایک مرکز میں جمع ہوتے ہیں۔ مختلف زبانیں بولنے والے،

مختلف رنگت، مختلف کلچر اور تمدن اور مختلف شکل وصورت کے لوگ بیت اللہ کی پاک سرزمین میں ایک دوسرے سے ملتے اور اللہ کے نام کو بلند کرتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے تعارف پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ سے آشنا ہوتے ہیں۔

حج اسلامی تنظیم اور ملی وفکری اتحاد کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس شاندار اجتماع میں مسلمانوں کے دینی، سیاسی، معاشی اور اقتصادی مسائل کا حل سوچا جا سکتا ہے۔

حج جغرافیائی معلومات حاصل کرنے کا بھی ایک وسیلہ ہے۔ گزشتہ زمانے کے مسلمان سفرِ حج کے لیے نکلے اور اپنی سیاحت کے حالات لکھ کر علم جغرافیہ کو بڑی تقویت پہنچائی۔ حج بین الاقوامی تجارت کو فروغ دینے کا بڑا ذریعہ ہے۔

## ۵۔ صِیامِ رَمضان

### فرضیتِ صیام

ماہ رمضان کے روزے رکھنا اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ روزوں کی فرضیت کا حکم ۲ھ میں نازل ہوا۔

سال بھر میں ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں حکم ہوا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾[1]

”اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔“

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ﴾[2]

---

۱۔ البقرۃ:۲/۱۸۳

۲۔ البقرۃ:۲/۱۸۵

’’ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ یہ قرآن لوگوں کے لیے ہدایت ہے، اس میں ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کے کھلے کھلے حکم موجود ہیں۔ تم میں سے جو شخص اس مہینے میں زندہ موجود ہو تو چاہیے کہ اس مہینے کے روزے رکھے۔‘‘

## رُخصت و اِجازت

بوڑھوں کو اجازت ہے کہ اگر وہ روزہ نہ رکھ سکیں تو روزہ چھوڑ دیں اور اس کے بدلے میں رمضان بھر صبح و شام مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔[1]

بیمار اور مسافر کے لیے بھی رخصت ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔[2]

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کو بھی اجازت ہے کہ اگر روزہ رکھنے سے تکلیف یا مضرت کا اندیشہ ہو تو قضا کریں۔[3]

بعض عورتوں کو قضا کی مہلت نہیں ملتی اور وہ برسوں تک اسی میں پھنسی رہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے لیے قضا ممکن نہیں۔ اس لیے ایسے حالات میں فدیہ یعنی مسکین کو کھانا کھلا دینا بھی کافی خیال کیا گیا ہے۔

نیز دائم المرض یعنی سدا بیمار رہنے والے اور بہت بوڑھے اور ضعیف لوگ بھی صرف فدیہ دیں۔ ان کے لیے بھی قضا کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔[4]

مصر کے مفتی اعظم شیخ محمد عبدہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان مزدوروں کا بھی یہی حکم ہے جن کا پیشہ سخت محنت کے کام کرنا ہے۔[5]

---

[1] صحیح البخاری: ۴۵۰۵

[2] البقرۃ: ۲/۱۸۴

[3] سنن النسائی: ۲۲۷۵ و السنن الکبری للبیہقی: ۸۰۷۷ و ابن حجر، فتح الباری: ۸/۱۷۹

[4] الموسوعة الفقهية: ۳۲/۶۸-۷۰

[5] تفصیل کے لیے دیکھیں، الموسوعة الفقهية: ۱۷/۱۷۶

## روزے کا مقصد

روزے رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت کے لیے اپنی جائز، محبوب اور پسندیدہ چیزوں کو ترک کر دے۔ گویا خدا اور بندے کے درمیان روزہ ایک قسم کا راز ہے جس کا کوئی محرم نہیں۔ روزہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ روزہ تقویٰ اور پارسائی و پرہیزگاری پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ خالص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔[1]

## روزہ رکھنے کا طریقہ

ماہ شعبان کی ۲۹ تاریخ گزرنے پر رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اگر مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آئے، یا گرد و غبار اور بادل ہوں اور قریب کے شہروں سے چاند دیکھنے کی اطلاع بھی نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کر کے رمضان کے روزے شروع کریں۔ اگر ۲۹ کو چاند نظر آ جائے تو پھر اگلے دن سے روزہ شروع کر دیں۔

روزہ صبح سویرے پَو پھٹنے سے لے کر سورج غروب ہونے تک رکھا جاتا ہے۔

روزہ رکھنے سے پہلے سحری کھانی چاہیے۔ (رات کو اگلے دن کے روزے کا ارادہ کر لینا چاہیے۔ یہی روزے کی نیت ہے۔)

سحری کا آخری وقت پَو پھٹنے تک ہوتا ہے۔ طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانا پینا منع ہے۔

سورج غروب ہوتے ہی روزہ اِفطار کر دینا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ سحری دیر سے کھاؤ اور اِفطاری جلدی کرو۔[2]

---

[1] صحیح البخاری:۷۴۹۲ و صحیح مسلم:۱۱۵۱

[2] مسند احمد:۲۱۵۰۷ و صحیح البخاری:۱۹۵۷ و صحیح مسلم:۱۰۹۸

روزہ کھولتے وقت یہ پڑھنا چاہیے۔

(( ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَ ثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ))[1]

''پیاس ختم ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر بھی ضرور ملے گا۔''

## روزے کے احکام

بلا عذر شرعی روزہ ترک نہیں کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شرعی عذر کے بغیر روزہ ترک کرنے والا عمر بھر اس کی تلافی نہیں کرسکتا۔[2]

اگر کوئی روزہ دار جان بوجھ کر روزہ توڑ دے تو اس پر کفارہ لازم آتا ہے یعنی وہ شخص ایک غلام آزاد کرے، یا لگاتار اور مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔[3]

سرمہ لگانے، بدن پر تیل ملنے، سر میں تیل لگانے، مسواک کرنے، خوشبو سونگھنے یا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔[4]

عمداً کھاپی لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر بھول کر کھاپی لیں تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔[5]

## روزے کے فوائد

روزے کے جسمانی، روحانی اور اجتماعی فوائد ہیں جن کا مختصر ذکر حسب ذیل ہے۔

روزہ جسم کے تمام ظاہری و باطنی قویٰ کو جلا دیتا ہے۔ جسم کو ردی اَخلاط سے پاک کرتا اور فاسد و مضر مادے دور کرتا ہے۔ قلب و جگر، دل و دماغ اور معدے کے عمل کو درست کرتا ہے۔

روزہ حیوانی خواہشات اور انسانی جذبات میں توازن پیدا کرتا ہے۔

---

[1] ابوداود: ۲۳۵۹

[2] سنن أبي داود: ۲۳۹۶ و ذكره البخاري في الصحيح معلقًا قبل الحديث: ۱۹۳۵

[3] صحيح البخاري: ۱۹۳۶ و صحيح مسلم: ۱۱۱۱

[4] صحيح البخاري، قبل الحديث: ۱۹۳۰ و سنن أبي داود: ۲۳۶٤

[5] صحيح البخاري: ۱۹۳۳ و سنن أبي داود: ۲۳۹۸

روزے کے ذریعے انسان کو احساس ہوتا ہے کہ بھوک پیاس کی شدت اور فقر و فاقہ کی تلخی کیسی ہوتی ہے۔ روزہ دار کو قدرتی طور پر بھوکے اور پیاسے لوگوں سے ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ غریبوں اور محتاجوں پر رحم کرتا ہے۔ اسے بھوک پیاس سے بلکتے بچوں اور بے چین ہوتے ہوئے انسان کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔

مہینہ بھر کے مسلسل روزے انسان کو محنتی، جفاکش اور سخت جان بنا دیتے ہیں۔ روزہ میدان جہاد میں صبر و ثبات کا سبق دیتا ہے اور کٹھن وقت کے لیے تیار کرتا ہے۔

روزہ سخت کوشی اور بھوک پیاس کی مشقت کو برداشت کرنے کی بہترین تربیت ہے۔

روزہ روح کو بالیدگی اور تازگی بخشتا ہے۔ تقویٰ اور پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ اِطاعتِ الٰہی اور سنت نبوی کا عادی بناتا ہے۔ حدود اللہ کے اندر رہ کر محتاط اور اچھی زندگی بسر کرنے کا خوگر بنا دیتا ہے۔

روزہ اخلاق کو بلند کرتا ہے۔ ناشائستہ اور ناپسندیدہ حرکتوں سے روکتا ہے اور ضبطِ نفس کی تعلیم دیتا ہے۔ اس طرح ایک انسان اچھا شہری بن سکتا ہے۔

## نماز تراویح

ماہ رمضان میں عشاء کی نماز کے ساتھ نماز تراویح با جماعت پڑھی جاتی ہے اور مہینے بھر میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کیا جاتا ہے۔ نماز تراویح میں قرآن مجید سننا اور ذکر الٰہی کرنا خیر و برکت کا موجب ہے۔

## شب قدر

اسی مہینے کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں میں ایک رات بڑی خیر و برکت والی آتی ہے۔ اس کو لَیْلَۃُ الْقَدْرِ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید اسی رات نازل ہوا تھا۔

قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍo سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِo﴾[۱]

”شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔ یہ امن و سلامتی کی رات ہے جو طلوع فجر تک رہتی ہے۔“

## اِعتکاف

نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ (دس دنوں) میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ اعتکاف کے لیے مسجد میں چھوٹا سا خیمہ لگا دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ تنہائی میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرتے تھے۔ ہر سال آپ ﷺ دس دن اعتکاف فرماتے تھے اور جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ سال میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا دورہ اور اِعادہ انھی دس دنوں میں کرتے تھے۔ مگر جس سال وصال ہوا، آپ ﷺ نے بیس دن اعتکاف کیا اور جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ قرآن مجید سنایا۔[۲]

اعتکاف کے دوران میں بلاضرورت مسجد سے نکلنا نہیں چاہیے، دنیا کے تمام کام ترک کر کے ہر وقت ذکرِ الٰہی اور تلاوت قرآن میں مشغول رہنا چاہیے۔

اِعتکاف کرنے والے کو مُعْتَکِف کہتے ہیں۔ عید کا چاند دیکھ کر رمضان کے روزے اور اعتکاف ختم ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر چھوڑ دو۔[۳]

---

۱ القدر:۹۷/۳-۵

۲ صحيح البخاري:۲۰۴٤ و ۳٦۲۳ و صحيح مسلم:۱۷۱۱

۳ صحيح البخاري:۱۹۰۹ و صحيح مسلم:۱۰۸۰

باب سوم

# اسلامی اَخلاق

عقائد و عبادات کے بعد اسلام میں تیسری اہم چیز اخلاق ہے۔ اخلاق کا مطلب انسانوں کے باہمی حقوق وفرائض کے وہ تعلقات ہیں جن کا ادا کرنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔ اخلاق کا تعلق آدمی کے ذاتی کردار کی بلندی اور چال چلن کی عمدگی سے ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد اور اساس اخلاق ہی پر ہے۔ خدا کے سب پیغمبروں نے یہی تعلیم دی کہ ہمیشہ سچ بولو، جھوٹ سے بچو۔ دیانت وامانت، عدل وانصاف، رحم وکرم اچھے اخلاق اور بہتر عادات ہیں۔ سب نے انھی چیزوں کی تلقین کی، لیکن اسلام میں اخلاق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ اور اعلیٰ مثال ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴾[1]

''اے رسول! آپ نہایت اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔''

خود جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ میری رسالت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں، فرمایا:

(( إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْأَخْلَاقِ ))[2]

''میں تو اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔''

تزکیہ نفس اور تعلیم حکمت بھی مکارم اخلاق کی تکمیل کا ایک زینہ ہے۔ اسلامی عقائد وعبادات

[1] القلم:٦٨/٤

[2] السنن الکبریٰ للبیھقی:٢٠٧٨٢ و مسند البزار:٨٩٤٩ و مسند أحمد:٨٩٥٢

میں بھی حسن اخلاق کی تعلیم مضمر ہے۔ نماز برائیوں سے روکتی ہے۔ زکوٰۃ غریبوں اور محتاجوں سے عملی طور پر ہمدردی کا سبق سکھاتی ہے۔ روزہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ حج میں بھی مکارم اخلاق کی تعلیم کا پہلو نمایاں ہے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری بھی اخلاق حسنہ سے کوئی الگ شے نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا ایمانداری اور نیکی کو اعلیٰ اخلاق قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ دعا مانگا کرتے تھے:

''اے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی راہنمائی کر، تیرے سوا کوئی اعلیٰ اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا۔''[1]

اسلام میں ایمان کا درجہ بہت بلند ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی تکمیل کے لیے بھی اخلاق حسنہ ضروری ہیں، فرمایا:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا))[2]

''مسلمانوں میں ایمان کامل اس شخص کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔''

صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد موجود ہے:

((إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا))[3]

''تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔''

بد خلقی کی سزا بیان فرمائی کہ بد خلق آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔[4]

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((أَحَبُّ عِبَادِ اللهِ إِلَى اللهِ أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا))[5]

یعنی اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے

[1] صحیح مسلم: ۷۷۱ و سنن أبي داود: ۷۶۰

[2] سنن أبي داود: ۴۶۸۲ و سنن الترمذي: ۱۱۶۲

[3] صحیح البخاري: ۳۵۵۹ و صحیح مسلم: ۲۳۲۱

[4] کنز العمال: ۸۳۹۹ و سنن أبي داود: ۴۸۰۱ و شعب الإيمان: ۷۶۴۹

[5] کنز العمال: ۵۱۳۳ و المعجم الكبير: ۴۷۱

اچھے ہوں۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''قیامت کے دن حسن خلق کا پلڑا سب سے بھاری ہوگا۔''[۱]

''حسن اخلاق کا مالک اپنے حسن خلق سے روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔''[۲]

دوسری حدیث میں فرمایا:

''لوگوں کو قدرتِ الٰہی نے جو چیزیں عطا کی ہیں ان میں سب سے بہتر اچھے اخلاق ہیں۔''[۳]

بس انسانی ترقی اور روحانی معراج کا کمال یہی ہے کہ ہم صفاتِ الٰہی کے انوار سے مقدور بھر بہرہ مند ہوں۔

اسلام کا فلسفۂ اخلاق علم کے ساتھ ساتھ عمل میں مضمر ہے اور اسلام اس وقت تک علم یا عمل کو کوئی حیثیت نہیں دیتا جب تک اللہ کی رضا مطلوب نہ ہو۔ اسلام کے نزدیک اخلاق کا کمال یہ ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ادا کیے جائیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں۔ اسلامی اخلاق کی قدر و قیمت اس وجہ سے زیادہ ہے کہ ایک نیکی اور ہمدردی کا کام اس لیے قابلِ تعریف ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ اگر ایک شخص بھوکے کو روٹی کھلاتا ہے یا کسی مصیبت زدہ کے کام آتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے تو اسلامی نظریے کے مطابق اس کا مرتبہ اس شخص سے بہت بلند ہے جو نیکی اور ہمدردی کے کام تو کرتا ہے لیکن محض کام کی اچھائی کی وجہ سے، نہ کہ خدا کے حکم کی اطاعت میں۔ جب دل کی آواز یہ گواہی دے کہ یہ بھلائی کا کام ہے اور اس میں خدا کی اطاعت وفرماں برداری بھی ہو تو پھر اسلامی فلسفۂ اخلاق کے لحاظ سے یہ بہترین

[۱] سنن أبي داود:٤٧٩٩ و سنن الترمذی:٢٠٠٣

[۲] سنن الترمذی:٢٠٠٣ و مسند أبي يعلى:٤١٦٦

[۳] سنن ابن ماجه:٣٤٣٦ و مسند احمد:١٨٤٥٤

جذبہ ہے۔

اسلامی فلسفۂ اخلاق میں نیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر کام کا نیک و بد ہونا تمام تر نیت پر موقوف ہے۔ اگر کسی عمل میں حسن نیت نہ ہو تو اخلاق کا بڑے سے بڑا کام روحانی خیر و برکت اور ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسلامی فلسفۂ اخلاق میں رضائے الٰہی بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔

جس طرح ہر عمل کے پیچھے حسنِ نیت کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ہر نیت کی پشت پناہی کے لیے ایمان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ایمان کے بغیر کسی عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

قرآن و حدیث میں اسلامی اخلاق کی فہرست بڑی طویل دی گئی ہے۔ یہاں صدق، امانت، ایفائے عہد، ایثار، رحم اور عفو سے متعلق ضروری معلومات قرآن و حدیث کی روشنی میں درج کی جاتی ہیں۔

## ا۔ صدق

عربی زبان میں راست گوئی اور سچائی کو صدق کہتے ہیں اور سچ بولنے والے آدمی کو صادق۔ صدّیق وہ ہوتا ہے جو بہت ہی سچا ہو اور کبھی جھوٹ نہ بولے۔ صدق و راست بازی انسانوں کے ہر قول اور عمل کی درستی کی بنیاد ہے اور اسی صدق کی بدولت دل اور زبان میں ہم آہنگی اور مطابقت پیدا ہوتی ہے۔

صِدق صفاتِ الٰہی میں سے بہت بڑی صفت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللهِ حَدِيْثًا ﴾[1]

''اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچا، بات میں؟''

﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللهِ قِيْلًا ﴾[2]

''اور کون ہے زیادہ سچا اللہ سے، قول میں؟''

---

[1] النساء: ٤/٨٧

[2] النساء: ٤/١٢٢

﴿ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾[1] ''اور ہم سچے ہیں۔''

علاوہ ازیں پیغمبروں کی مثالیں دے کر سمجھایا گیا کہ وہ سب راست باز اور سچے تھے۔ پھر انفرادی طور پر نام لے لے کر فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت سچے تھے۔[2] حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ بڑے سچے تھے۔[3] حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق بتایا کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔[4]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سچ بولنے والوں اور صادقوں کو منجملہ ان لوگوں کے ذکر کیا جن کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔[5] نیز جن لوگوں کو جنت ملے گی ان میں وہ بھی شامل ہوں گے جو دنیا میں دوسری خوبیوں کے ساتھ صدق اور سچائی کے مالک ہیں۔[6]

انعام یافتہ لوگوں میں صدیقوں (راست بازوں) کو بھی شامل کیا گیا ہے۔[7]

یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن سچے لوگوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی اور سچائی کے بدلے میں لوگوں کو جنت ملے گی اور اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾[8]

''(قیامت کے دن) اللہ کہے گا کہ آج کے دن سچے لوگوں کو ان کی سچائی فائدہ

[1] الأنعام: ١٤٦/٦
[2] مريم: ٤١/١٩
[3] مريم: ٥٦/١٩
[4] مريم: ٥٤/١٩
[5] الاحزاب: ٣٥/٣٣
[6] آل عمران: ١٥/٣، ١٧
[7] النساء: ٦٩/٤
[8] المائدة: ١١٩/٥

دے گی۔ ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سے اللہ راضی ہو گیا وہ اس سے پہلے راضی ہو گئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

قرآن مجید نے سچ بولنے کی اہمیت کو اور بڑھاتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ﴾[1]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

اس آیت میں تاکید کر دی کہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دو۔ سچ بولنے والی جماعت سے رابطہ رکھو اور انھی کی صحبت میں رہو، تاکہ ان کی سچائی کے اثر سے تم بھی سچے بنو۔

اسلام میں صدق و سچائی کے بڑے وسیع معانی ہیں۔ صدق کا اطلاق زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی پر ہوتا ہے۔

امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں سچائی کی چھ قسمیں بیان کی ہیں اور ہر ایک کے معنی قرآن و حدیث سے بتائے ہیں۔ (۱) بات میں سچائی، (۲) ارادہ اور نیت میں سچائی، (۳) عزم میں سچائی، (۴) عزم کو پورا کرنے میں سچائی، (۵) عمل میں سچائی اور (۶) دین داری کے مقامات و مراتب میں سچائی۔[2] مختصر یوں سمجھیے کہ زبان، دل اور عمل میں مطابقت اور ہم آہنگی حقیقی صدق اور اصل سچائی ہے اور اسی میں سب شامل ہیں۔

آنحضرت ﷺ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ لین دین، کاروبار، تجارت غرضیکہ ہر معاملے میں آپ ﷺ کی راست بازی اور سچائی مشہور تھی اور اسی لیے لوگ آپ کو صادق یعنی راست باز اور سچا کہتے تھے۔[3]

آپ ﷺ کے دوست دشمن سب آپ کی راست بازی کا اعتراف کرتے تھے۔ ایک

---

[1] التوبۃ: ۹/۱۱۹

[2] إحیاء علوم الدین للغزالی: ۴/۳۸۷

[3] الشفا للقاضی: ۱/۳۰ و سبل الهدی: ۱/۴۸۰

دن آنحضرت ﷺ نے مکے سے باہر کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ آپ کی آواز سن کر سردارانِ قبیلہ پہاڑی کے دامن میں جمع ہو گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا: اگر تمھیں میں بتاؤں کہ پہاڑی کے پیچھے تمھارے دشمنوں کا ایک لشکر آرہا ہے تو کیا تم اس بات کو تسلیم کرلو گے؟ سب نے کہا: ہاں! بے شک! کیونکہ آپ سچ بولتے ہیں۔[1]

ایک دفعہ ابوجہل نے آنحضرت ﷺ کی راست بازی اور سچائی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: اے محمد! میں تمھیں جھوٹا نہیں کہتا لیکن کیا کروں تمھاری تعلیم پر میرا دل نہیں ٹھہرتا۔[2]

قیصر روم نے اپنے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ تمھارے ہاں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، کیا تم نے اسے کبھی جھوٹ بولتے سنا؟ ابوسفیان نے آپ کے صدق کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔[3]

آنحضرت ﷺ نے سچ بولنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ منجملہ دیگر نشانیوں کے بہشت میں جانے والوں کی ایک نشانی صدق ہے۔[4]

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ سچ بولنے والے، امانت کا خیال رکھنے والے، اچھے خلق والے اور حلال کی روزی کھانے والے آدمی کو کسی نقصان کا ڈر نہیں۔[5]

دوسری جگہ آپ ﷺ نے سچ بولنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، سچائی نیکی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے۔[6]

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون

---

[1] صحیح البخاری: ۴۷۷۰، ۴۹۷۱ و صحیح مسلم: ۲۰۸

[2] سنن الترمذی: ۳۰۶۴ والهندی، کنز العمال: ۴۳۷۴

[3] صحیح البخاری: ۷، ۲۹۴۱ و صحیح مسلم: ۱۷۷۳

[4] صحیح البخاری: ۶۰۹۴ و صحیح مسلم: ۲۶۰۷

[5] مسند أحمد: ۶۶۵۲ و السلسلة الصحیحة: ۷۳۳

[6] صحیح البخاری: ۶۰۹۴ و صحیح مسلم: ۲۶۰۷

سا کام ہے جو آدمی کو جنتی بنا دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: راست بازی، پھر تشریف فرماتے ہوئے کہا کہ سچ بولنا نیکی ہے۔ نیکی انسان کو امن بخشتی ہے اور جو شخص امن میں ہو گیا وہ جنت میں جائے گا۔[1]

آنحضرت ﷺ نے مختلف پیرایۂ بیان میں صدق و راستی کی تاکید فرمائی ہے اور جھوٹ سے روکا ہے۔ آپ ﷺ نے سچائی اور راست بازی کو ایمان قرار دیا ہے اور جھوٹ کو منافقت ٹھہرایا ہے۔[2] آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ صدق و راستی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاکت و تباہی کا موجب ہے۔[3]

## ۲۔ امانت

امانت و دیانت کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنے کاروبار اور معاملات میں ایماندار اور کھرا ہو۔ اسلام نے امانت داری اور دیانت داری پر بڑا زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ﴾[4]

''مسلمانو! اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانت رکھنے والوں کی امانت ان کے حوالے کر دیا کرو۔''

یہ تو تھا حکم۔ دوسری جگہ بامراد ایمان والوں کی نشانی یہ بتائی کہ انھیں اپنی امانت اور وعدے کا پاس ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾[5] یعنی کامیاب مومنوں کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا خیال رکھتے ہیں۔

---

[1] مسند احمد: ٦٦٤١ و السلسلة الضعيفة: ٤١٥٣

[2] صحيح البخاري: ٣٣ و صحيح مسلم: ٥٩

[3] كنز العمال: ٧٢٩٢

[4] النساء: ٥٨/٤

[5] المؤمنون: ٨/٢٣

ایک طرف تو امانت رکھنے والوں کو امانت واپس کر دینے کا حکم کر دیا اور دوسری طرف خیانت کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ﴾[1]

یعنی اللہ خیانت کرنے والوں کو بالکل دوست نہیں رکھتا۔

بالفاظ دیگر یوں سمجھیے کہ امانت داری سے اللہ کی دوستی نصیب ہوتی ہے اور خیانت سے اللہ کی دشمنی۔

سورۃ البقرۃ (آیت: ۲۸۳) میں فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی کسی دوسرے کو امین سمجھ کر امانت رکھ دے تو امین کو چاہیے کہ امانت رکھنے والے کو اس کی امانت ادا کر دے اور امانت کے معاملے میں اپنے رب سے ڈرتا رہے۔

دشمن بھی آنحضرت ﷺ کی دیانت داری اور امانت داری کا اعتراف کرتے تھے۔[2] ان لوگوں کو آپ پر اتنا بھروسہ تھا کہ مخالفت اور دشمنی کے باوجود اپنا روپیہ پیسہ آپ کے پاس امانت رکھ جاتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جانے لگے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس لیے پیچھے چھوڑ گئے کہ آپ لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کر کے بعد میں مدینے پہنچ جائیں۔[3]

آپ ﷺ کی امانت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوست دشمن سب آپ ﷺ کو امین کے لقب سے یاد کرتے[4] اور اپنا سرمایہ آپ ﷺ کے سپرد کر دیتے۔

ایک دفعہ زور کی بارش ہوئی تو کعبہ از سر نو تعمیر کرنا پڑا۔ حجر اسود رکھنے پر جھگڑا ہو گیا۔ سب لوگوں نے کہا کہ یہ امین جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے۔[5]

---

[1] الانفال: ۸/۵۸

[2] المعجم الأوسط: ۲۴۴۲

[3] سیرت ابن ہشام: ۱/۴۸۵

[4] مستدرك حاكم: ۱۶۸۳

[5] سیرت ابن اسحاق، ص: ۱۰۸ و دلائل النبوة للبیهقی: ۲/۶۲

آنحضرت ﷺ نے امانت داری کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ وعدہ بھی امانت ہے۔ جو شخص اپنے وعدے کو توڑتا ہے وہ خیانت کرتا ہے۔ آپ ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے کہ اے اللہ! مجھے خیانت سے بچا، کیونکہ یہ بہت برا ساتھی ہے۔[۱]

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

۱۔ جس شخص میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں۔[۲]

۲۔ جو شخص وعدہ پورا نہیں کرتا، وہ دیانت دار نہیں۔[۳]

۳۔ امانت کا ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ امانت میں خیانت کرنا دوزخ مول لینا ہے۔[۴]

۴۔ نماز امانت ہے، وضو امانت ہے، وزن امانت ہے، پیمانہ امانت ہے۔[۵]

۵۔ ہم نے جس شخص کو کسی کام پر مقرر کیا اور اسے تنخواہ دی تو اگر اس کے بعد وہ کچھ لے تو یہ خیانت ہے۔[۶]

۶۔ جب دو آدمی امانت داری سے کاروبار کریں تو کاروبار میں برکت ہوتی ہے۔ جب وہ آپس میں خیانت کریں تو برکت اٹھ جاتی ہے۔[۷]

۷۔ سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن پیغمبروں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔[۸]

امانت و دیانت کا یہ بھی مفہوم ہے کہ قومی اور ملکی فرائض کی ادائیگی میں سستی اور غفلت نہ کریں۔ سرکاری کاروبار میں بے اعتنائی سے کام لینا خیانت کے مترادف ہے۔

---

۱ سنن أبي داود: ۱۵٤۷

۲ مسند احمد: ۱۲۵٦۷

۳ مسند أبي يعلى: ۲٤۵۸

٤ شعب الإيمان: ٤۸۸۷

۵ شعب الإيمان: ٤۸۸۵

٦ صحيح البخاري: ٦٦۳٦ و مسند أحمد: ۲۳۵۹۸

۷ صحيح البخاري: ۲۰۷۹ و صحيح مسلم: ۱۵۳۲

۸ سنن الترمذي: ۱۲۰۹ و سنن ابن ماجه: ۲۱۳۹

## ۳۔ایفائے عہد

ایفائے عہد کا مطلب ہے کہ اپنے وعدے یا قول وقرار کو پورا کرنا۔ وعدے کی پابندی اور قول وقرار کا خیال رکھنا بڑی خوبی کی بات ہے۔ جو لوگ بات کے پکے نہیں ہوتے ان کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ جب اعتبار جاتا رہتا ہے تو پھر انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ عہد کی پابندی راست باز اور امانت دار لوگوں کا شعار ہے۔ ایک مسلمان کا یہ بھی شعار ہے کہ وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا کرے۔ عہد کی پابندی اور وعدے کو پورا کرنا صفات ربانی میں سے ہے۔ چنانچہ اللہ پاک نے قرآن مجید میں اس بات کا کئی مرتبہ اعلان کیا:

۱۔ ﴿وَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهُ﴾ ''اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔''[۱]

۲۔ ﴿فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ﴾ ''اللہ ہرگز اپنے قول وقرار کے خلاف نہیں کرے گا۔''[۲]

۳۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ ''اللہ خلاف وعدہ نہیں کرتا۔''[۳]

۴۔ ﴿لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ﴾ ''اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔''[۴]

اللہ کے بندوں کو بھی چاہیے کہ اپنے مالک و خالق کی طرح وہ بھی وعدے کے سچے اور پکے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق وصفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کے علاوہ قرآن مجید میں ایفائے عہد کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔

۱۔ ﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾[۵]

''اپنا وعدہ پورا کیا کرو، کیونکہ قیامت کے دن وعدے کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کی اہمیت بتائی اور فرمایا کہ یہ کوئی معمولی بات

---

۱ الحج:۴۷/۲۲

۲ البقرة:۸۰/۲

۳ الرعد:۳۱/۱۳

۴ الروم:۶/۳۰

۵ بنی إسرائیل:۳۴/۱۷

نہیں ہے۔اس کی تو قیامت کے دن بھی باز پرس ہوگی۔

۲۔ ﴿ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾[1]

''جو شخص اپنا وعدہ پورا کرے اور (وعدے توڑنے) سے ڈرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس آیت میں فرمایا کہ ایفائے عہد تقویٰ کی نشانی ہے اور متقی لوگ خدا کے پیارے ہیں۔خدا کا پیارا بننے کا ایک ذریعہ ایفائے عہد ہے۔

۳۔ ﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ﴾

''اصل نیکی تو یہ ہے کہ جب وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔''[2]

اس آیت میں ایفائے عہد کو نیکی قرار دیا ہے۔

۴۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴾

''وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا پاس کرتے ہیں۔''[3]

اس آیت میں بتایا کہ امانتوں اور وعدوں کو ملحوظ رکھنا کامل الایمان مسلمانوں کی نشانی ہے۔اس کی پاسداری کرنے والے کامیابی سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔

۵۔ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾[4]

یعنی کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو۔آپ رسول اور نبی ہونے کے ساتھ وعدے کے سچے تھے۔

اس آیت میں فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ وعدے کے پکے

---

[1] آل عمران:۳/۷۶

[2] البقرۃ:۲/۱۷۷

[3] المؤمنون:۲۳/۸

[4] مریم:۱۹/۵۴

اور قول و قرار کے سچے تھے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ خود بھی وعدے کے بڑے سچے اور بات کے پکے تھے۔ آپ جو وعدہ فرماتے ہمیشہ پورا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص سے سودا کیا۔ وہ شخص جلدی واپس آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ لیکن کسی کام میں لگ جانے کی وجہ سے اپنا وعدہ بھول گیا۔ آنحضرت ﷺ تین دن تک اس کے انتظار میں وہیں کھڑے رہے۔ تیسرے دن جب اس شخص کو اپنا وعدہ یاد آیا تو بھاگا بھاگا آیا، کیا دیکھتا ہے کہ آپ وہیں کھڑے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس شخص کو صرف اتنا کہا: او جوان! تم نے مجھے بہت تکلیف دی۔ میں تین دن سے اسی جگہ بیٹھا تیرا انتظار کر رہا ہوں[1]

صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی مکے سے بھاگ کر حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان مدینے سے مکے چلا جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔[2]

یہ شرائط ابھی طے ہو رہی تھیں کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ وہیں پہنچ گیا۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے قریش نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا لیکن وہ موقع پا کر زنجیروں سمیت بھاگ گیا۔ قریش نے مطالبہ کیا کہ شرائط صلح کے مطابق ابو جندل ہمیں واپس دے دیا جائے۔ مسلمان کہتے تھے کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ شرائط طے پانے سے پہلے پہنچ چکا تھا، اس لیے اسے ہم واپس نہیں کریں گے مگر رسول اللہ ﷺ نے عہد کی اتنی پابندی فرمائی کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مکے والوں کے ساتھ بھیج دیا۔[3]

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایفائے عہد کی بڑی تاکید فرمائی ہے، آپ نے فرمایا:

---

1. سنن أبي داود: ٤٩٩٦
2. صحيح مسلم: ١٧٨٤
3. صحيح البخاري: ٢٧٣١ و مسند أحمد: ١٨٩٢٨

۱۔ وعدہ اور عہد بھی ایک امانت ہے۔ وعدہ توڑنا خیانت کے برابر ہے۔

۲۔ جس میں ایفائے عہد نہیں، اس کا کوئی دین نہیں،[۱] یعنی بدعہدی بے دینی کے برابر ہے۔

۳۔ جس شخص نے کسی مسلمان کا عہد توڑا، اس پر اللہ، فرشتوں اور سارے لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کا نہ کوئی فرض قبول ہے نہ نفل۔[۲]

۴۔ وعدہ خلافی اور عہد شکنی سے قتل اور خون ریزی پھیلتی ہے۔[۳]

## ۴۔ ایثار

ایثار کا مفہوم یہ ہے کہ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ذاتی ضرورت پر ترجیح دی جائے اور دوسروں کی آسائش و راحت کو اپنی ذاتی آسائش و راحت پر مقدم رکھا جائے۔ خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے، خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے۔

حضرت نبی کریم ﷺ ایثار کا پیکر تھے۔ ایک دفعہ ایک مسلمان خاتون نے اپنے ہاتھ سے ایک چادر تیار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کی۔ آپ نے یہ تحفہ قبول کر لیا۔ اتنے میں ایک غریب مسلمان نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! چادر مجھے عنایت ہو۔ آپ ﷺ نے اسی وقت اتار کر چادر ان کے حوالے کر دی حالانکہ آپ کے پاس اور چادر نہ تھی اور آپ ﷺ کو خود اس چادر کی ضرورت تھی۔[۴]

امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک بھوکا آدمی حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے گھر میں اس وقت پانی کے سوا کچھ

---

۱۔ مسند احمد: ۱۲۳۸۳

۲۔ صحیح مسلم: ۳۳۲۸/۱۳۷۰

۳۔ مستدرک حاکم: ۲۵۷۷ و مسند البزار: ٤٤٦٣

٤۔ صحیح البخاری: ۱۲۷۷ و سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۵ و مسند احمد: ۲۲۸۲۵

نہ تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا: جو شخص آج کی رات اس کو اپنا مہمان بنائے گا، خدا اس پر رحم فرمائے گا۔ یہ سعادت ایک انصاری کے حصے میں آئی۔ وہ اس مہمان کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے پوچھا کہ گھر میں کچھ ہے؟ جواب ملا کہ صرف بچوں کا کھانا، بولے کہ بچوں کو سلا دو اور چراغ گل کر دو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ گھر میں جو کچھ تھا مہمان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ خود دونوں بچوں سمیت رات بھر بھوکے رہے۔ صبح نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا ہے۔[1]

آنحضرت ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں انصارِ مدینہ ایثار میں بڑے پیش پیش تھے۔ جب مکے کے مسلمان بے خانماں ہو کر مدینے پہنچے تو انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے ہر طرح کا ایثار کیا۔ ان کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ باغات دیے کہ پھلوں سے فائدہ اٹھائیں۔ کھیت دیے کہ کھیتی باڑی کریں۔ ان کو اپنی تجارت اور کاروبار میں شریک کیا تاکہ وہ غریب الوطنی اور پردیس کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ انصار نے مہاجرین کے آرام و آسائش کی خاطر ہر قسم کی قربانی دی۔[2] انصار کے ایثار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[3]

''اور وہ (انصار) ان مہاجرین کو اپنے سے مقدم سمجھتے ہیں خواہ انصاری کو اپنے اوپر تنگی کیوں نہ ہو۔''

جب بنونضیر کی زمین مسلمانوں کے ہاتھ آئی تو آنحضرت ﷺ نے دو انصاریوں

[1] صحیح البخاري: ۳۷۹۸ و صحیح مسلم: ۲۰۵٤

[2] صحیح البخاري: ۲۶۳۰، ۲۰٤۹ و سیرت ابن کثیر: ۲/۳۲۷ و دلائل النبوۃ للبیهقي: ٤/۲۸۷

[3] الحشر ۵۹: ۹

کے سوا باقی ساری زمین مہاجرین کو دے دی تو انصار نے اس فیصلے کو ہنسی خوشی تسلیم کر لیا۔[1]

اسی طرح بحرین کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ بحرین کو انصار میں تقسیم کر دوں۔ اس پر ایثار کے پیکروں نے عرض کی کہ جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ ملے ہمیں یہ منظور نہیں۔[2]

تاریخ اسلام میں ایثار کی مثالوں کی کچھ کمی نہیں۔ میدان جنگ میں زخمی پیاس سے بے چین ہیں، لیکن ہر مجاہد پانی کا پیالہ اپنے دوسرے زخمی بھائی کی طرف پھیر دیتا ہے کہ اس کی پیاس زیادہ ہے۔[3]

جس قوم اور معاشرے میں ایثار اور قربانی کا جذبہ موجود ہو، اس کے محتاج اور ضرورت مند افراد کبھی ذلیل وخوار نہیں ہوتے۔ قوموں کی عزت کا راز ایثار وقربانی میں مضمر ہے۔ ایثار پیشہ قومیں دنیا میں عزت وسربلندی کی زندگی کا حق رکھتی ہیں اور دیگر اقوام ان کے اس حق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور جس قوم میں ایثار کا جذبہ مفقود ہو تو وہ قوم آج نہیں تو کل ضرور مٹ جائے گی۔

## ۵۔رحم

اسلام کے بنیادی اخلاق میں رحم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ رحم کا مفہوم یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ کسی معاوضہ کا خیال کیے بغیر نیکی کریں۔ رحم کے مفہوم میں لطف وکرم، رحمت ومہربانی اور شفقت ورقت شامل ہیں۔ جب اللہ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے تو اس میں احسان، اِنعام اور اِفضال کا پہلو ہوتا ہے۔

---

[1] شرح المواهب:۲/۵۲۰ و سبل الهدیٰ:۳۲۵/٤

[2] صحیح البخاري:۳۱٦۳ و مسند أحمد:۱۲۰۸۵

[3] تاریخ دمشق الکبیر:۱۸۰/۳۸ و الوافي بالوفیات:۳۹/۲۰

رحم کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے۔ اللہ کے ناموں میں رحیم اور رحمٰن کو امتیازی شان حاصل ہے۔ رحیم کا مطلب ہے مہربان یا رحم سے بھرا ہوا، جبکہ رحمٰن کے معنی ہیں بڑا رحم والا۔ رحیم تو دوسروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے لیکن رحمٰن خاص اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے، کسی دوسرے کے لیے نہیں بولا جا سکتا۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ ہر اچھا کام کرنے سے پہلے رحمٰن اور رحیم کا نام لیں یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر کام شروع کریں۔[1] اسی طرح سوائے سورت توبہ کے قرآن کریم کی ہر سورت کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کیا گیا ہے۔ اللہ ان معنوں میں بھی رحمٰن ہے کہ دنیا میں اس کی رحمت اپنوں اور بیگانوں، مسلمانوں اور کافروں سب کے لیے عام ہے اور ان معنوں میں رحیم ہے کہ آخرت میں اس کی رحمت مسلمانوں کے لیے خاص ہوگی۔

خدا کی رحمت اور اس کے احسان و انعام کی تفصیلات سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ چند ایک حوالہ جات درج ذیل ہیں:

۱۔ ﴿ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴾[2]

"وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔"

۲۔ ﴿ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ﴾[3]

"آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ تمھارا رب بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے۔"

۳۔ ﴿ وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ﴾[4]

"تیرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

---

[1] صحيح البخاري: ۳۲۸۰ و سنن ابن ماجه: ۱۸۹٤

[2] الحشر: ۲۲/۵۹

[3] الأنعام: ۱٤۷/٦

[4] الكهف: ۵۸/۱۸

۴۔ ﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنی بابت فرمایا اس کی رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔

۵۔ ﴿ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ﴾[2]

''اور وہ اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بھی رحمت قرار دیا ہے۔

۱۔ ﴿ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ﴾[3]

''تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل، ہدایت اور رحمت (بصورت قرآن) آئی ہے۔''

۲۔ ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾[4]

''اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نصیحت اور سینے کی بیماریوں کے لیے شفا آئی ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے یہ (قرآن) ہدایت اور رحمت ہے۔''

۳۔ ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾[5]

''اور ہم قرآن مجید کو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت کے طور پر نازل کرتے ہیں۔''

۴۔ ﴿ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾[6]

---

[1] الاعراف: ١٥٦/٧

[2] الشوریٰ: ٢٨/٤٢

[3] الأنعام: ١٥٧/٦

[4] یونس: ٥٧/١٠

[5] بنی إسرائیل: ٨٢/١٧

[6] النمل: ٧٧/٢٧

''اور یہ قرآن مؤمنوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے۔''

۵۔ ﴿هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾[1]

''یہ قرآن ایمان لانے والی قوم کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

رسول اللہ ﷺ بڑے رحم دل، شفیق و مہربان تھے۔ آپ کے رحم وشفقت کی تعریف قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[2]

''اور ہم نے آپ کو دنیا جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔''

۲۔ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[3]

''لوگو! تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمھاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے، تمھاری خیر خواہی کا دم بھرتے ہیں، ایمان والوں پر بڑے شفیق اور مہربان ہیں۔''

امت محمدیہ کے بارے میں بھی قرآن مجید نے رحم دل کا لفظ استعمال فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾[4]

یعنی حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زور آور ہیں مگر آپس میں رحم دل ہیں۔

[1] الاعراف: ۵۲/۷

[2] الأنبياء: ۱۰۷/۲۱

[3] التوبة: ۱۲۸/۹

[4] الفتح: ۲۹/۴۸

☆ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ہر چھوٹے بڑے پر رحم کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''جو شخص رحم نہیں کرتا، اُس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔''[۱]

☆ آپ ﷺ نے چھوٹے بچوں کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمادیا کہ جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[۲]

☆ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل زمین پر رحم کرو، آسمان والا اللہ تم پر رحم کرے گا۔[۳] آپ نے جانوروں پر بھی رحم و شفقت کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا بھی تم پر رحم کرے گا۔[۴]

☆ آپ ﷺ اتنے رحم دل تھے کہ جانوروں کو لڑانے کو بے رحمی قرار دے کر اس سے منع فرما دیا۔[۵]

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بدّو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آپ تو بچوں سے پیار کرتے ہیں، ہم تو ایسا نہیں کرتے؟! آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر خدا نے تیرے دل سے رحمت دور کر دی ہے تو میرا کیا بس ہے۔[۶]

☆ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پیار کیا اور چوما تو اقرع بن حابس تمیمی کہنے لگے کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: جس نے رحم نہیں کیا، اس پر رحم

---

[۱] صحیح البخاری:٥٩٩٧ و صحیح مسلم:٢٣١٨

[۲] سنن أبی داود:٤٩٤٣ و سنن الترمذی:١٩١٩

[۳] سنن أبی داود:٤٩٤١ و سنن الترمذی:١٩٢٤

[۴] مستدرك حاكم:٦٤٨٢ و مسند أحمد:١٥٥٩٢

[۵] سنن أبی داود:٢٥٦٢ و سنن الترمذی:١٧٠٨

[۶] صحیح البخاری:٥٩٩٨ و صحیح مسلم:٢٣١٧

نہیں کیا جائے گا۔[1]

☆ آپ ﷺ کے رحم کا یہ حال تھا کہ فرمایا کرتے: ''اگر کوئی شخص مقروض مر جائے اور مال باقی نہ چھوڑے تو ہم اس کا قرض ادا کریں گے۔''[2]

☆ آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی رحم و شفقت کا نمونہ ہے۔ آپ نے بدترین دشمنوں پر بھی رحم کیا اور قدرت کے باوجود انھیں معاف کر دیا۔[3]

☆ آنحضرت ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱۔ تم ایمان دار نہ ہو گے جب تک کہ رحم نہ کرو گے۔ صحابہ نے عرض کی: کیا ہم سب رحیم ہیں۔ فرمایا: ''رحم یہ نہیں ہے کہ تم اپنے دوستوں پر رحم کرو، بلکہ رحمت عام کرو۔''[4]

۲۔ شقی اور بدبخت انسان سے رحم چھین لیا جاتا ہے۔[5]

اس حدیث میں بتایا کہ بے رحم آدمی بدبخت ہوتا ہے۔

۳۔ آپ ﷺ نے چڑیا یا کسی اور جانور کو ناحق (محض شوقیہ طور پر) مارنے سے منع فرمایا ہے۔[6]

۴۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک عورت نے بلی کو بھوکا پیاسا رکھ کر مار دیا اور اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو دوزخ میں جھونک دیا۔''[7]

۵۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک آدمی نے پیاسے کتے پر رحم کھا کر اسے پانی پلا دیا۔

---

[1] صحیح البخاری:۵۹۹۷ و صحیح مسلم:۲۳۱۸

[2] صحیح مسلم:۱۶۱۹ و سنن أبی داود:۳۳۴۳

[3] دلائل النبوة للبیهقی:۵/۵۸

[4] مسند أبی یعلیٰ:۴۲۵۸ و مستدرك حاكم:۷۳۱۰

[5] سنن أبی داود:۴۹۴۲

[6] سنن أبی داود:۵۲۶۷ و سنن ابن ماجه:۳۲۲۳و صحیح مسلم:۹۱۵۷

[7] صحیح البخاری:۲۴۸۲ و صحیح مسلم:۲۲۴۲

اللہ تعالیٰ نے اس نیکی کے بدلے میں اس آدمی کو جنت میں جگہ دے دی۔[1]

جب ہمارا ارحم الراحمین خدا رحم و کرم کا سرچشمہ ہے، ہمارے رسول کریم ﷺ سراپا رحمت وشفقت ہیں، ہمارا قرآن پیغام رحمت ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم رحم وکرم کو اپنی زندگی کا دستورالعمل قرار دیں۔

۲۔ عَفْو

عفو کا معنی ہے درگزر کرنا، معاف کر دینا، گناہوں اور لغزشوں پر خطِ تنسیخ کھینچ دینا۔

عفوودرگزر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے، فرمایا:

۱۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا﴾[2]

''یقیناً اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔''

۲۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ﴾[3]

''تحقیق اللہ درگزر کرنے والا، بخشنے والا ہے۔''

۳۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾[4]

''اور اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔''

۴۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾[5]

''اور اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا معاف کرنے والا ہے۔''

۵۔ ﴿وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ﴾[6]

---

[1] صحيح البخاري: ٢٣٦٣ وصحيح مسلم: ٢٢٤٤

[2] النساء: ٤/٤٣

[3] الحج: ٢٢/٦٠

[4] النساء: ٤/١٤٩

[5] النساء: ٤/٩٩

[6] الشورى: ٤٢/٢٥

''اور وہ (اللہ) برائیوں کو معاف کر دیتا ہے۔''

۶۔ ﴿وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ﴾[1]

''چاہے تو بہتوں کو معاف کر دے۔''

اللہ تعالیٰ کے درگزر اور بخشش کی بدولت کائنات کا نظام قائم ہے اور اگر بندوں کے گناہوں پر گرفت کرنے لگے تو پھر کوئی انسان بھی اس کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ اسی لیے اس نے اپنے بندوں کو سکھایا کہ یہ دعا مانگا کریں۔

﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا﴾[2]

''اے ہمارے رب! ہم سے درگزر فرما اور ہمارے گناہ بخش دے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو تعلیم دی۔

۱۔ ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾[3]

''اے نبی! لوگوں سے درگزر کرو اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگو۔''

۲۔ ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ﴾[4]

''اے نبی! ان کو معاف کر دو اور درگزر کرو۔''

۳۔ ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾[5]

''اے پیغمبر! درگزر کا شیوہ اختیار کرو۔''

اللہ پاک نے اپنے بندوں کو بھی یہی سکھایا کہ وہ صفات ربانی کی پیروی میں درگزر اور معافی سے کام لیں، فرمایا:

---

۱ الشوریٰ: ۴۲/۳۴
۲ البقرۃ: ۲/۲۸۶
۳ آل عمران: ۳/۱۵۹
۴ المائدہ: ۵/۱۳
۵ الأعراف: ۷/۱۹۹

۱۔ ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾[۱]

''پس معاف کرو اور درگزر کرو۔''

۲۔ ﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا﴾[۲]

''چاہیے وہ معاف کردیں اور چاہیے وہ درگزر کریں۔''

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خدا سے عفو و درگزر کی دعا مانگا کرو۔[۳] احادیث میں مختلف طریقوں سے طلب عفو و معافی کی تاکید کی گئی ہے۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! اگر میں شب قدر دیکھوں تو کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہو:

(( اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ ))[۴]

''اے اللہ! بے شک تو بڑا معاف کرنے والا ہے، تو درگزر کرنے کو دوست رکھتا ہے، سو مجھے معاف کردے۔''

۲۔ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے رب سے کس طرح مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کلمات کہا کرو۔ یہ کلمات دنیا و آخرت کو جمع کردیں گے۔

(( اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ ))[۵]

''اے اللہ! مجھ کو بخش، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت دے اور روزی عطا کر۔''

۳۔ آدمی کی بہترین دعا یہ ہے:

---

[۱] البقرة:۲/۱۰۹

[۲] النور:۲۴/۲۲

[۳] سنن الترمذی:۳۵۵۸

[۴] سنن الترمذی:۳۵۱۳ و سنن ابن ماجه:۳۸۵۰

[۵] صحیح مسلم:۲۶۹۷

(( اَللّٰھُمَّ ! اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ))[۱]

''اے اللہ! میں تجھ سے دنیا وآخرت کی عافیت ودرگزر مانگتا ہوں۔''

۴۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر روکر فرمایا: اللہ سے عفو وعافیت مانگو۔ یقین کے بعد کسی کو عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی۔[۲]

''اے اللہ! میں تجھ سے عفو اور عافیت مانگتا ہوں۔''

برائی کا بدلہ برائی جماعت کا قانون تو ہوسکتا ہے لیکن افراد کا اخلاقی کمال عفو ودرگزر میں پوشیدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے عفو ومعافی کی وہ شاندار مثال قائم کردی جس کی نظیر نہیں ملتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو وکرم کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدترین دشمنوں اور سخت مخالفوں کو بھی معاف فرمادیا۔ وہ ہندہ جس نے آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا، جب آپ کے سامنے حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر رحم کرتے ہوئے معاف فرمادیا۔[۳]

وہ ابوسفیان جو فوج لے کر مدینے پر حملہ آور ہوا تھا، اس کو صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ فتح مکہ کے دن بڑی عزت افزائی اور دلجوئی فرمائی[۴] اور جب قبیلہ ہوازن کا مال غنیمت آیا تو ابوسفیان اور اس کے بیٹوں کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیا۔[۵]

حدیبیہ کے میدان میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ دشمن کے اسّی آدمی چپکے سے آئے تاکہ مسلمانوں کو شہید کردیں۔ سب آدمی

---

۱۔ سنن ابن ماجه:٣٨٥١ و المعجم الأوسط:٨٤٠٠

۲۔ سنن الترمذي:٣٥٥٨ و مستدرك حاكم:١٩٣٨

۳۔ سبل الهدى:٥/٢٢٥ و أسد الغابة:٧/٢٨١

۴۔ صحيح مسلم:١٧٨٠

۵۔ سبل الهدى:٥/٤٠٠ شرح اللمواهب:٤/٢١

گرفتار کر لیے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا دامنِ عفو و کرم ان پر پھیلا دیا اور بغیر کسی فدیہ یا سزا کے سب کو چھوڑ دیا۔[1]

ایک دن حضرت محمد ﷺ ایک درخت کے نیچے سو گئے اور اپنی تلوار درخت سے لٹکا دی۔ ایک کافر آیا اور تلوار نکال کر آپ ﷺ کو جگایا۔ پھر کہنے لگا کہ بتاؤ اب میرے ہاتھ سے آپ کو کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ'' یہ سن کو تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آنحضرت ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ اب تجھے کون بچائے گا؟ وہ بچکا سارہ گیا۔ پھر آپ نے اسے معاف کر دیا۔[2]

مختصر یہ کہ آپ ﷺ عفو و کرم کا پیکر تھے۔ آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ عفو و درگزر ہی اخلاقی کمال ہے۔



[1] مسند احمد:۱۲۲۲۷ و صحیح مسلم:۱۸۰۸

[2] صحیح البخاری:۲۹۱۰ و صحیح مسلم:۸۴۳

# آئینۂ اسلام

اسلامی تعلیمات میں چار عنوان بڑے ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

**عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق**

- **عقیدہ:** زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق کا نام عقیدہ ہے۔ عقیدے کی مضبوطی اور یقین کو ایمان کہتے ہیں۔
- **عبادت:** خدا کے حضور میں اپنی بندگی اور عبودیت کا اظہار اور احکام الٰہی کی تعمیل عبادت ہے۔
- **معاملات:** انسان کے ساتھ معاملہ اور کاروبار میں احکام الٰہی کی پابندی معاملات کہلاتی ہے۔
- **اخلاق:** مخلوق خدا سے نیک سلوک، اچھا برتاؤ، محبت اور الفت سے پیش آنے کا نام اخلاق ہے۔

(پروفیسر عبدالقیومؒ۔ آئینۂ اسلام۔ ص ۱۰)

ISBN: 978-969-8042-93-6

بزمِ اقبال

۲۔ کلب روڈ، لاہور

فون: 042-99200851